

مالا

"استنبول"

حصہ چہارم:

باب 20

کہتے ہیں کہ

انسان کو

خوش رہنے کے لیے

چاہیے ہوتی ہیں

صرف تین چیزیں۔

کوئی انسان محبت کے لیے...

کوئی کام کرنے کے لیے...

اور کوئی شے امید دلائے رکھنے کے لیے...

(Tom Bodett)

سرمئی بادل چاروں اطراف سے تیرتے ہوئے آسمان پہ جمع ہو رہے تھے۔ عین اس کے سر کے اوپر۔ وہ گردن اونچی اٹھائے انہیں دیکھ رہی تھی۔ طویل سیڑھیوں کے وسط میں بیٹھی۔ گھٹنے ملائے۔ ان پہ جامنی فائل رکھے۔ مالا کی پشت پہ زینے اونچے ہو کے مڑ جاتے تھے۔ ہر زینہ مختلف رنگ کا تھا۔ سرخ، زرد، فیروزی، نیلا۔

یہ بلت کی مشہور رنگ برنگی سیڑھیاں تھیں۔ دو پتھریلی دیواروں کے درمیان بنی سیڑھیاں۔ اوپر تار سے رنگین لالین لٹک رہے تھے۔ یہاں عموماً سیاحوں کا رش ہوتا تھا۔ آج بھی اوپر نیچے دائیں بائیں لوگ ان پہ پوز کر کے تصاویر بنوا رہے تھے۔ البتہ بادلوں کے اکٹھے ہوتے ہی رش ماند پڑنے لگا۔

ماہر کے دن کی طویل داستان سننے کے لیے انہیں یہاں آنا پڑا تھا۔ وہ واپس آفس نہیں جانا چاہتا تھا کیونکہ آج کے دن کیف میں گوسپ اور افواہیں عروج پہ تھیں۔ اس وقت وہ کافی لینے قریبی کیف کی طرف گیا تھا اور وہ زینوں کے رنگ دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ نہ جانے ان پر کتنے لوگوں کی تکلیفوں کا رنگ تھا۔ بلت کی رنگ برنگی عمارتوں کے درمیان واپس آ کے مالا کو شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ اس نے اس جگہ کو بہت مس کیا تھا۔ مانا کے ماہر بے کی اپارٹمنٹ بلڈنگ میں دنیا کی ہر سہولت میسر تھی اور وہ شہر کا ایک بہت پوش علاقہ تھا جہاں امراء، رؤسا اور سفارتی اہلکار بستے تھے۔ لیکن بلت کی پتھریلی گلیوں، رنگین عمارتوں اور پر رونق کیفے زمیں عام زندگی کی خوشبو قہوے اور قہتھوں کے درمیان سے کہیں اٹھتی تھی اور اس خوشبو جیسا کچھ نہ تھا۔

"تم نے سوچا بھی کیسے کہ میں یہ فائل رکھ لوں گی؟"

وہ نیچے گلی کی سمت سے آتا دکھائی دیا، یوں کہ ہاتھ میں دو پیپر کپ تھے تو مالا کی خفگی واپس آ گئی۔

"تم نے سنا نہیں جو میں نے بتایا؟ کہ سوزی بیکری کے ساتھ کیا کرنے جا رہی تھی؟"

ایک گرم کپ مالا کو تھمایا اور دوسرا لیے مالا کے زینے پر دوسری طرف آ بیٹھا۔ وہ دونوں ایک ہی زینے پر مخالف دیواروں سے ٹیک لگائے یوں بیٹھے تھے کہ درمیان میں سات آٹھ فٹ کارنگین فاصلہ تھا۔

"سوزین کچھ غلط کرنے جا رہی تھی۔ مگر تم نے بھی ٹھیک نہیں کیا۔ تم اپنے بھائی کو کھو دو گے، ماہر۔"

"میں اسے پہلے ہی کھو چکا ہوں۔ وہ بچا رہا ہوں جو بچا سکتا ہوں۔"

اوپر سے دو چینی خدو خال کے سیاح تیز قدموں سے اترتے نیچے آئے اور ان کے درمیانی خلا کو کاٹتے ہوئے گزر گئے۔

”تم کسی دوسرے طریقے سے بھی بیکری کو بچا سکتے تھے۔ وہ تمہارے نام تھی۔ مجھے درمیان میں لانے کی کیا ضرورت تھی؟ اب بیر بل میرے بارے میں کیا سوچے گا؟“

مالا اپنی آواز سے جھلکتی پریشانی چھپا نہیں سکی۔

”ہر بات میں میرا کوئی چھپا ہوا ایجنڈا نہیں ہوتا، مالا۔ میں تمہیں واقعی یہ بیکری دینا چاہتا تھا۔ یہ تمہارا خواب تھا اور میری وجہ سے...“

”تمہاری وجہ سے میری بیکری کا خواب چکنا چور ہوا وغیرہ وغیرہ والی جسٹی فکیشن مجھے مت دو۔ تمہیں معلوم ہے میں یہ بات نہیں مانوں گی۔“ پھر گرم کپ ہونٹوں سے لگایا۔ تازہ کافی۔ چینی اور دودھ کا مناسب توازن۔ بلت کی رنگین خوشبو اور بارش سے پہلے کا موسم۔ اس کی خفگی جیسے خود بخود ہلکی ہونے لگی۔

”اگر تم یہ رکھ لو گی تو مجھے خوشی ہو گی۔“ ماہر نے کہنے کے بعد گھونٹ بھرا۔ مسکراہٹ سمٹی۔ ماتھے پر لکیریں ابھریں۔

”اب یہ مت کہنا کہ تمہیں کافی پسند نہیں آئی۔“ اس نے پہلے ہی ٹوک دیا۔ ایک تو اس کے coffee snobs والے تاثرات وہ الفاظ میں ڈھلنے سے پہلے ہی پہچان جاتی تھی۔

ماہر فرید اس وقت ک شمالہ کو ناراض کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ اس لیے اس نے بدقت اس کافی کی شان میں بہت کچھ کہنے سے خود کو روکا۔ بینز اچھی کوالٹی کے نہیں تھے نہ ہی ان کا روسٹ اس کے معیار کے مطابق تھا۔ وہ متوقع بارش کے باعث زیادہ دور نہیں جانا چاہتا تھا اسی لیے اس کیفے پہ سمجھوتا کر لیا۔ لیکن آئندہ وہ یہاں سے کافی نہیں لے گا۔ اس نے ذہن میں اس کیفے کو ان تمام کیفے زکی لسٹ میں ڈال دیا جنہیں وہ کینسل کرتا آیا تھا۔

”تم نے بیر بل کو بتایا ہے اس بارے میں؟“

"ابھی نہیں۔" وہ گردن اٹھائے لالٹین دیکھ رہا تھا جو ہوا سے جھولنے لگے تھے۔ ماہر نے سرمئی کوٹ کے کالر کھڑے کر لیے۔ وہ زیادہ دیر یہاں نہیں بیٹھ سکیں گے، وہ جانتا تھا۔

"وہ مجھے ایک ولن سمجھے گا۔ میں نے پہلے اس کے اپارٹمنٹ پہ قبضہ کیا پھر اس کی بیکری پہ۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ وہ کیا سمجھتا ہے؟"

"تم سوزی کے بغض میں بھول رہے ہو کہ وہ ایک جیتا جاگتا انسان ہے جو اس عمل سے ہرٹ ہو گا۔"

"اب تو ہو گیا جو ہونا تھا۔" اس نے مسکرا کے کندھے اچکائے۔ مالا آنکھوں کی پتلیاں سکڑ کے چند لمحے اسے دیکھے گئی۔

"یعنی تم سوزین کے ارادے کو ناکام کرنے کے لیے مجھے استعمال کر ہی ہو چکے ہو تو اب ہر جگہ یہی کہو گے کہ بیکری تو میں نے مالا کو دے دی ہے۔"

"بالکل۔" وہ ڈھٹائی سے مسکرایا۔ کپ اب زینے پر رکھ دیا تھا۔

"اوکے۔" وہ کچھ دیر بعد سوچ کے بولی تھی۔

"اوکے کیا؟"

"میں بیکری کو رکھنے پہ تیار ہوں۔"

اب کے ماہر نے غور سے اسے دیکھا۔

"واقعی؟"

"اگر میں نے نہ رکھی تو تم کسی اور کو بیچ دو گے۔ بیربل کے سامنے بری میں بن چکی ہوں۔ اس لیے ٹھیک

ہے۔ میں جب تک یہاں ہوں، اس بیکری کا خیال رکھوں گی جیسے اسے اون کرتی ہوں۔"

کچھ تھا جو ماہر کے دل میں چبھ گیا۔

"جب تک تم یہاں ہو؟"

"ہاں۔ ہماری ڈیل ہوئی تھی نا۔ دو ماہ کی۔" مالا نے کلانی پہ بندھی اسمارٹ واچ دیکھی۔ "اور دو ماہ مکمل ہونے میں چند دن ہی رہ گئے ہیں۔ اس کے بعد میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔" وہ رکی اور اضافہ کیا۔ "بدر کو لے کر۔" جیسے وہ ماہر سے زیادہ خود کو یقین دلارہی تھی کہ تب تک اسے بدر مل جائے گا۔

آسمان پہ بادل زور سے گرجے لیکن ماہر نے گردن نہیں اٹھائی۔ وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ حقیقت اسے اپنی طرف متوجہ کر رہی تھی۔

"تم... کیا واقعی چلی جاؤ گی؟"

"ظاہر ہے، ماہر۔ یہی طے ہوا تھا۔ میں جانے سے پہلے بیکری تمہیں واپس کر دوں گی۔ یہ فائل تم رکھ لو۔ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔" مالا نے کھڑے ہوتے ہوئے فائل اس کی جانب بڑھائی۔ وہ اپنا کپ اٹھائے دھیرے سے اٹھا اور دوسرے ہاتھ سے فائل تھام لی۔ ایک دم سے بلت کی سیڑھیاں، اور وہ تمام عمارتیں بے رنگ ہو گئی تھیں۔ سیاہ سفید۔ سرمئی۔ پھیکی۔ اس کے اپارٹمنٹ کے جیسی۔ مالا کے پودوں کے آنے سے پہلے والی کیف کی عمارت کے جیسی۔

یہ طے تھا کہ وہ چلی جائے گی۔ اور یہ بھی طے تھا کہ وہ اپنی زندگی مزید پیچیدہ بنادے گا۔ جب سب طے تھا تو حیرت کس بات کی؟ ملال کیسا؟

"تمہیں یاد ہے نا، تم نے قرمزی عمارت کے لیے آرٹ ورک بنانا تھا۔" وہ دونوں ساتھ ساتھ زینے اتر رہے تھے۔ اور وہ ہر اس وجہ کو یاد کر رہا تھا جس سے وہ اسے اس شہر میں روک سکے۔

"میں اس پہ کام کر رہی ہوں۔"

"مجھے دکھائی نہیں دے رہا۔"

"آرٹسٹ اگر خاموشی سے بیٹھا ہو، تب بھی وہ کام کر رہا ہوتا ہے۔"

”یہ رائٹرز کے بارے میں کہتے ہیں۔“

وہ بے ساختہ ہنس دی۔ ماہر نے گلی میں قدم رکھتے ہی ٹریش کین میں اپنا بھرا ہوا کپ خاموشی سے گرا دیا۔ ٹریش کین کے دہانے پر دو بلیاں ڈھٹائی سے کھڑی تھیں۔ انہیں دیکھ کر بھی اپنی جگہ سے نہ ہلیں۔

رائٹر سے یاد آیا، زیاد ملا تھا آج مجھے۔

کشمالہ چونک کے اس کی طرف گھومی۔

”زیاد؟ کیوں؟ کہاں؟“

خطرے کی گھنٹی دور کہیں بجنے لگی تھی۔

”وہ میرا تعاقب کر رہا تھا۔ ایک جگہ بالآخر سامنے آیا اور اس نے مجھے وہ دھمکی یاد کروائی جو اس نے کئی سال پہلے مجھے دی تھی۔ مجھے قتل کرنے کی دھمکی۔“ وہ زخمی سا مسکرایا تھا۔ اس مسکراہٹ میں بے پروائی بھی تھی۔

”مگر... وہ اس دن مجھے ملا تھا۔ اور... اور وہ کہہ رہا تھا کہ وہ بدل گیا ہے۔“

”زیاد نہیں بدلے گا، مالا۔“

کشمالہ نے افسوس سے سردائیں بائیں ہلایا۔

”وہ رورہا تھا۔ مجھے لگا وہ واقعی... شاید... کوئی ایک امید...“ اس نے سر جھٹکا۔

”کیا تمہیں یقین نہیں آیا؟“

ماہر نے غور سے اس کے چہرے کو دیکھا۔

”نہیں نہیں۔ آف کورس مجھے... مجھے تمہارا یقین ہے۔ میں بس حیران ہوں۔“

”کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ تم زیادہ کو جاننے کے باوجود اس کے evil پن کی انتہا پہ یقین نہیں کرتیں۔ تمہیں لگتا ہے وہ ایک حد سے آگے نہیں بڑھے گا۔ لیکن یاد رکھنا، وہ ہمیشہ تمہیں غلط ثابت کرے گا۔“

”فی الحال تو تم غلط ثابت ہوئے ہو۔ عالیان کے معاملے میں۔ پہلے تم اس کی موجودگی سے انکاری تھے۔ اور اب بھی تم اس پہ فوکس نہیں کر رہے۔“ ماہر کی بات اسے زور سے لگی تھی۔ زیادہ کی حد کیا ہو سکتی تھی، مالک فرید اسے باور کروا چکے تھے۔ اسی لیے ضوع بدل دیا۔

”تم نے عالیان کی ماں کو اس کے بارے میں کیوں بتایا؟“

وہ دونوں گلی میں آگے بڑھتے جا رہے تھے۔ اور اوپر بادلوں کا رنگ گہرا ہو رہا تھا۔

”وہ مسلسل مجھے ستا رہا تھا۔ میں نے سوچا کیوں نا اسے ستایا جائے۔ defensive کی بجائے offensive ہو کے کھیلا جائے۔“

”اور وہ تمہیں کس طرح ستا رہا تھا؟“

”میں پہلے ہی بتا چکی ہوں کہ وہ میرا راز نہیں تھا نہ میں اسے بنا تصدیق کے کسی کو بتا سکتی ہوں۔ وہ مالک صاحب کی بات تھی، ان کو بتادی۔ قصہ ختم۔“ پھر رک کے غور سے ماہر کو دیکھا۔

”اور تم مجھ سے وعدہ کرو کہ تم مالک صاحب سے اس بارے میں کچھ نہیں پوچھو گے۔“

ماہر فرید نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔ جامنی فائل ایک ہاتھ میں تھی۔

”وعدہ! میں مالک سے اس بارے میں کچھ نہیں پوچھوں گا۔ خوش؟“

مالا نے اطمینان سے سر کو جنبش دی اور قدم آگے بڑھا دیے۔

”تمہیں سوزین کو کنفرنٹ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟“ وہ ابھی تک جیسے بیکری والے معاملے پہ ناخوش

تھی۔

”وہ بہت وقت لگا رہی تھی۔ میری خوشامدوں میں، میرے ساتھ اچھا تعلق استوار کرنے میں۔ میں چاہتا تھا حالات فاسٹ فارورڈ ہو جائیں۔ وہ جلدی خود کو ایکسپوز کر دے۔“

”تمہارے اس عمل سے بیربل تم سے مزید بد دل ہو گا۔“

”میرے اس عمل سے سوزین خود کو ایکسپوز کرے گی۔“

وہ دونوں گول پتھروں والی گلی میں آگے بڑھتے جا رہے تھے اور ماہر کی آواز مدھم ہو رہی تھی۔

(نیلے کوٹ میں ملبوس سوزین تیز تیز قدموں سے اپارٹمنٹ بلڈنگ کی سیڑھیاں اتر رہی تھی۔ اس کا چہرہ سرخ تھا اور آنکھوں میں پانی۔)

”لوگ شادی کے بعد نہیں بدلتے۔ جو وہ ہوتے ہیں، مزید وہی بنتے جاتے ہیں۔ اس نے بیربل سے شادی صرف اس کی دولت کے لیے کی ہے۔ اسے وہ ساری دولت چاہیے۔ کمپنی میں حصہ بھی۔ بیکری بھی۔“

(سوزی نے ڈرائیو کرتے ہوئے چہرہ دائیں جانب موڑا۔ سڑک کنارے بیکری کی عمارت دکھائی دی۔ بلاسٹڈز بند تھے اور دروازے پہ کلوزڈ کا سائن لگا تھا۔ آنکھیں پھر سے بھینگے لگیں اور پیشانی کی رگیں تن گئیں۔)

"جس چیز کو ہم اپنی طاقت بناتے ہیں، اسی کے چاہنے والے ہماری طرف کھینچ کے آتے ہیں۔ بیربل نے اپنی شخصیت کو ہمیشہ پیسے سے سجایا ہے۔ اس کی طرف جو بھی کھنچے گا، وہ امارت کا چاہنے والا ہو گا۔ اور میں سوزی کو جانتا ہوں۔ وہ ایسی لڑکی نہیں ہے جو بیربل کی کسی دوسری خوبی کی وجہ سے اس کی طرف متوجہ ہوئی ہو۔"

(سوزین دھاڑ سے دروازہ کھول کے بیڈ روم میں داخل ہوئی۔ بیربل بیڈ کے ایک کنارے لیٹا موبائل پہ بٹن دبا رہا تھا۔ چونک کے اسے دیکھا جس کا چہرہ گلابی ہو رہا تھا۔)

"چونکہ وہ دولت کے لئے آئی ہے، اس لیے وہ جلدی جلدی نقب لگانے کی کوشش کرے گی۔ میرے اس عمل نے چیزوں کو صرف فاسٹ فارورڈ کیا ہے تاکہ ان کا ہنی مون فیئر ختم ہو اور حقیقت سامنے آئے۔"

(بیربل بیڈ کے کنارے بیٹھا تھا اور سوزین ڈریسنگ مرر کے سامنے کھڑی کانوں سے نوچ کے ایئر رنگز اتار رہی تھی۔ ساتھ ہی ہاتھ ہلاتے ہوئے وہ تیز تیز کچھ کہہ رہی تھی۔)

"اس کا پہلا قدم تھا مجھے شیشے میں اتارنا تاکہ بیربل اس سے خوش ہو جائے۔ لیکن وہ یہ نہیں کر سکی۔ اب وہ اپنا پینتیر ابد لے گی اور بیربل کو میرے خلاف کرے گی۔ میں نے صرف اسے اپنے خلاف بولنے کی وجہ تھمائی ہے۔"

(وہ اب اسٹول پر بیٹھی بیربل کی طرف رخ کیے بھیگے سرخ چہرے کے ساتھ اونچی آواز میں بول رہی تھی۔ سنگھار میز کے آئینے میں بیربل کا عکس دکھائی دے رہا تھا۔)

"ٹاکسک عورتیں وہ ہوتی ہیں جو اپنے پارٹنر کے سامنے اس کے قریبی چاہنے والوں کے خلاف باتیں کرتی ہیں۔ اور کمزور مرد وہ ہوتے ہیں جو ان باتوں کو چپ چاپ سنتے ہیں۔ اب یہ بیربل کا امتحان ہے۔ اسی لیے میں نے تمہیں کہانا، میں اسے پہلے ہی کھو چکا ہوں۔ جو بچا سکتا تھا، وہ بچا رہا ہوں۔"

(بیربل خاموشی سے سنتا، ایک ہاتھ سے کنپٹی سہلارہا تھا۔ وہ بولتی جا رہی تھی اور اس کے سر میں درد کی ٹمیسیں اٹھ رہی تھیں۔)



لابریری میں مقدس خاموشی پھیلی تھی۔ میزوں پر جگہ جگہ سبز روشنی والے لیمپس جلے تھے۔ چند نوجوان کتابیں کھولے ان میں غرق دکھائی دیتے تھے۔ جیسے کوئی گروپ اسٹڈی چل رہی ہو۔

ایسے میں عالیان اپنی مخصوص میز پر لیپ ٹاپ کے سامنے بیٹھا اسکرین کو بیزاری سے اوپر اسکرول کر رہا تھا۔ ہڈی کی ٹوپی سر پر ڈال رکھی تھی جس سے سنہرے بال جھلکتے تھے اور ماتھے پہ اکتاہٹ بھرے بل تھے۔

دفعۃً وہ چونکا۔ اسکرین پہ نیا پیغام ابھرا تھا۔

عالیان نے رک کے پڑھا۔ پھر کنپٹی کی رگیں تن گئیں۔

"مجھے کشمالہ نے بتایا ہے کہ تم میرے بیٹے ہو۔ کیا یہ درست ہے؟ میں استنبول میں ہوں اور تم سے ملنا

چاہتی ہوں۔ پلیز مجھے جواب دو۔"

کبیرہ سادان کا میسج اسکرین پہ چمک رہا تھا۔ اس نے ضبط سے مٹھی بھینچ لی۔ چند گہرے سانس لے کے خود کو جیسے ٹھنڈا کیا، پھر موبائل اٹھایا اور ایک نمبر ملا کے کان سے لگایا۔ نگاہیں ایک پل کے لیے بھی اسکرین سے نہیں ہٹی تھیں۔

”ہیلو؟“

”کیا کہا ہے تم نے کبیرہ سے میرے بارے میں؟“ وہ دبا دبا سا غرایا۔

”یہی کہ تم ان کے بیٹے ہو، ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ تم سرکار کے نام سے اس فیلڈ میں بہت مشہور ہو۔ کیا انہوں نے تمہیں تلاش کر لیا؟“ وہ خوشگوار حیرت سے پوچھ رہی تھی۔ ”ارے ہاں! میں تو بھول ہی گئی۔ وہ بھی تو اس انڈسٹری کی بہت پرانی کلائنٹ ہیں۔ دنیا کتنی چھوٹی ہے، مائی ڈیئر کزن۔“ وہ جیسے محفوظ ہو رہی تھی۔

چند لمحے لائن پہ صرف عالیان کے سانس لینے کی آواز سنائی دیتی رہی۔

”وہ میری ماں نہیں ہے۔ میری ماں نگینہ تھی جو مر چکی ہے۔“

”نگینہ تمہاری ماں نہیں تھی۔ وہ ماؤں سے ان کے بچے چھیننے والی عورت تھی۔“ مالا ٹھہری۔ ”ویسے کیا کرتی تھی وہ ان بچوں کا؟ مجھے آج تک اس بات کا جواب نہیں ملا۔“

”تم مجھ سے سوال پوچھنے کی پوزیشن میں نہیں ہو، مالا۔“ عالیان کی ٹون بدل گئی۔ ”اس عورت کو بتاؤ کہ تم نے اس سے جھوٹ بولا ہے اور اس کو میرے پیچھے سے ہٹاؤ۔ ورنہ...“

”ورنہ کیا؟ میرے بیٹے کو مار دو گے؟ جس کو کئی ماہ سے سنبھال کے بیٹھے ہو؟“

عالیان چند لمحے کے لیے خاموش ہو گیا۔ پھر جب بولا تو اس کی آواز قدرے پرسکون تھی۔

”صرف تمہارا بیٹا تمہاری کمزوری نہیں ہے۔ اگر تم کبیرہ کو فون کر سکتی ہو تو میں بھی پاکستان بہت سے لوگوں کو کال گھما سکتا ہوں۔ تمہارے رشتے دار اور خاندان والے پہلے ہی تمہارے اوپر انگلیاں اٹھاتے ہیں کیونکہ تم ایک مغربی ملک میں اکیلی رہتی ہو۔“

کشمالہ اپارٹمنٹ کے اوپن کچن میں فریج کے سامنے کھڑی کچھ نکال رہی تھی۔ فون کان سے لگا رکھا تھا۔ عالیان کے ان الفاظ پہ وہ بالکل منجمد ہو گئی۔ وہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی گھر آئی تھی۔ ماہر اسے ڈراپ کر کے اپنے اپارٹمنٹ میں چلا گیا تھا۔

”سوچو... اگر میں تمہارے خاندان میں یہ مشہور کر دوں کہ تم ماہر کے اپارٹمنٹ میں رہ رہی ہو، تو تمہاری ریپوٹیشن کو کتنا نقصان پہنچے گا۔“ وہ شاید مسکرا رہا تھا۔

مالانے زور سے جمے ہوئے مٹروں کا پیکٹ کاؤنٹر ٹاپ پہ رکھا۔

”اور کوئی تمہاری بات پہ کیوں یقین کرے گا، عالیان؟“

”صرف بات؟ او نہوں۔ میں ثبوت بھیجوں گا نا۔ تمہاری اس اپارٹمنٹ بلڈنگ میں جاتے ہوئے کوئی تصویر... ماہر کے ساتھ کسی ریسٹوران میں تمہاری تصویر... سوچو میں اگر یہ سوشل میڈیا پہ ڈال دوں... تھوڑی بہت مشہور تو تم ہو... ایک اسکینڈل تو بن ہی جائے گا جب دنیا کو معلوم ہو گا کہ تم اور ماہر ایک چھت تلے رہتے ہو۔ چیچ چیچ... کیا سوچیں گے وہ تمہارے بارے میں۔“

کشمالہ کا ہاتھ جمے ہوئے پیکٹ پہ تھا۔ وہیں ٹھہر گیا۔ وہ چونکی تھی۔

”تم میرے بارے میں کیا سوچتے ہو، عالیان؟“

”کیا مطلب؟“

”یہی کہ میں اس کے ساتھ ایک چھت تلے رہتی ہوں۔ یہ جان کے تم نے میرے بارے میں کیا سوچا

تھا؟“

وہ ایک لمحے کے لیے خاموش ہوا جیسے یہ سوال غیر متوقع تھا۔ پھر کندھے اچکا دیے۔

”تم نے مجھے مایوس کیا ہے، مالا۔ اتنا عرصہ ماہر فرید سے دشمنی نبھائی اور پھر اس کے ساتھ اسی کے گھر میں رہنا قبول کر لیا۔ خیر... میرا پروول تمہیں نہیں چاہیے۔ لیکن تمہارے خاندان والے.... چار سدہ کے گاؤں والے.... سب کیا کہیں گے؟“

وہ بے ساختہ مسکرا دی۔

”خاندان والے کبیرہ بیگم کے کھوئے ہوئے بیٹے کے ملنے کی خبر پہ زیادہ فوکس کریں گے۔ اس لئے جو کہنا ہے کہہ دو۔ مالا کسی سے نہیں ڈرتی۔“ اس نے کال کاٹ کے موبائل نیچے کیا اور مسکرا کے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں۔

وہ ماہر کے اپارٹمنٹ میں اس کے ساتھ ایک چھت تلے نہیں رہتی تھی۔

وہ ساتھ والے اپارٹمنٹ میں رہتی تھی۔

دونوں کی چھت مختلف تھی لیکن عالیان کو یہ بات معلوم نہیں تھی۔

اس کا مطلب تھا کہ عالیان کے جاسوسی نیٹ ورک میں بھی جھول تھا۔ اس کے جنات یا اس کے انسان... وہ سب کچھ نہیں جانتے تھے۔ کوئی کتنا بڑا سرکار ہی کیوں نہ بن جائے، وہ سب کچھ نہیں جان سکتا تھا۔ اور بالآخر کشمالہ مبین کے ہاتھوں میں اس کی کمزوری آگئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مالا کی عالیان سے گفتگو سے پہلے ماہر نے اسے اپارٹمنٹ بلڈنگ کے سامنے اتارا تھا۔ وہ اتر کے اوپر چلی گئی اور وہ کار میں بیٹھا کچھ دیر چند ضروری کالز کرتا رہا۔ پھر فرنٹ سیٹ پر رکھی جامنی فائل اٹھائی اور خود بھی اندر چلا آیا۔

مطلوبہ فلور کی راہداری زرد لیمپس سے نیم روشن تھی اور ماہر کے اپارٹمنٹ کے سامنے گارڈ مستعد کھڑا تھا۔ وہ فون کان سے لگائے، دوسرے ہاتھ میں فائل تھا مے لفٹ سے باہر نکلا اور اپارٹمنٹ کی جانب آیا۔

”وہ آج مجھے ملا ہے۔ زیادہ سلطان۔ دھمکی دے رہا تھا۔“

”میں پولیس کی ایک کار کو تمہارے اپارٹمنٹ کے باہر کھڑا کر دیتا ہوں۔ وہ کچھ نہیں کرے گا۔“ چنگیز حسب توقع اس سے زیادہ پریشان ہو گیا تھا۔

”یہ ٹھیک ہے۔ میرے گارڈز بھی موجود ہیں۔“ اس نے گارڈ کو سر کے خم سے سلام کیا، اور دروازے کے کی پیڈ پہ کوڈ چنچ کرنے لگا۔ بپ بپ سنائی دی۔ اور پھر دروازہ کھلنے کی کلک۔

”مجھے اپنی فکر نہیں ہے۔ ہلال کی ہے... اور مالا کی۔“ ایک نظر ساتھ والے اپارٹمنٹ کے بند دروازے پہ ڈالی۔ ”کیا تم یہ چیک کر سکتے ہو کہ زیادہ واقعی اس ملک میں کسی سرکاری اسائنمنٹ پہ آیا ہے؟ اگر ایسا ہے تو اس کے ہینڈلر سے بات کی جاسکتی ہے۔ صرف وہی اس کو باز رکھ سکتے ہیں۔“

”یہ چیک کرنا مشکل ہو گا، ناممکن نہیں۔ میں دیکھتا ہوں۔“ رابطہ منقطع ہوا تو ماہر اندر داخل ہوا۔ جوتے اتارے۔ اپارٹمنٹ میں سناٹا تھا۔ البتہ وہ جانتا تھا آگے کس قسم کا منظر اس کا منتظر ہو گا۔

سر مئی کوٹ اتار کے تہہ کر کے بازو پر ڈالا، ایسے کہ جامنی فائل اس کے اندر چھپ گئی۔ پھر آگے آیا۔ لاؤنج کی ساری بتیاں روشن تھیں اور سیاہ صوفوں پر بیربل اور سوزین بیٹھے اسے آتے دیکھ رہے ہیں۔ سوزین کا چہرہ اب سرخ نہیں تھا بلکہ وہ چھتی نظروں سے اس کے استقبال میں بیٹھی تھی۔ بیربل کے ساتھ۔

بیربل کا چہرہ سوزی سے مختلف تھا۔ اس کی نگاہیں ماہر سے ملیں تو وہ دیکھ سکتا تھا کہ ان میں کچھ ٹوٹا ہوا تھا۔

”کیا تم لوگ ڈنر کے لیے میرا انتظار کر رہے ہو؟ میں کھانا کھا کے آیا ہوں۔“

وہ کمرے کی طرف جانے لگا جب...

”آپ ہم سے بات کیے بغیر نہیں جائیں گے۔“ وہ اٹھ کھڑی ہوئی تو وہ ٹھہر گیا۔

سینے پر بازو لپیٹے وہ آنکھیں چھوٹی کیے اسے گھور رہی تھی۔ بیربل بھی زخمی نظروں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

ماہر نے ہلکے سے کندھے اچکائے اور واپس آیا، ان کے سامنے والے صوفے پر بیٹھا، ٹانگ پر ٹانگ جمائی اور کوٹ ساتھ رکھ دیا۔ ایسے کہ فائل اس کے اندر ڈھکی رہی۔

”تم نے بیکری بیچ دی؟“ بیربل کی ملامت بھری نظریں اس پہ جمی تھیں۔

ماہر نے اثبات میں سر ہلایا۔

”میری چیز تھی۔ بیچ دی۔ کوئی پرالیم ہے کیا؟“

سوزی نے مٹھی میں صوفے کی مخمل کو بھینچا اور ہونٹ کھولے ہی تھے کہ بیربل نے اس کی مٹھی پر اپنا ہاتھ رکھا۔

”مجھ سے پوچھا بھی نہیں؟“

”تم نے شادی سے پہلے مجھ سے پوچھا تھا؟“

لونگ روم میں سناٹا چھا گیا۔

”تم نے شادی کر کے مجھے اطلاع دی تھی کیونکہ یہ تمہاری زندگی کا فیصلہ تھا۔ اور تم اس کو لینے میں بااختیار تھے۔ ایسے ہی بیکری میری ملکیت تھی۔“ سینے پہ انگلی سے دستک دی۔ ”اسے بیچنے کے لیے مجھے کسی کی اجازت نہیں چاہیے۔“

بیربل کی آنکھوں میں کرچیاں ابھریں۔

”ہر چیز تمہاری ہی ہوتی ہے، ماہر۔ کمپنی بھی، شیئرز بھی، میرے باپ کی محبت بھی... لیکن کیا میں اس قابل بھی نہیں تھا کہ مجھ سے مشورہ کیا جاتا؟“

ماہر نے نامحسوس انداز میں ہاتھ تہہ شدہ کوٹ پر رکھ دیا۔ چہرے کے اطمینان میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

”ہر چیز تمہیں تمہارے وقت پہ مل گئی تھی۔ رہی بیکری تو اگر تمہیں یاد ہو تو اس میں انویسٹمنٹ میں نے کی تھی۔ اس کے خسارے کئی دفعہ میں نے برداشت کیے۔ اس کا پرافٹ میں نے کبھی وصول نہیں کیا۔ بہت سال تمہارے کہے یا بنا کہے میں تمہیں پیسے دیتا رہا، جس کا میں نے کبھی حساب نہیں مانگا۔ آج اگر مجھے ضرورت تھی اور میں نے وہ بیکری بیچ دی جو میری ملکیت تھی، جس کے تمام سٹاف کو تم فائر کر چکے تھے، جس کو چلانے میں تمہیں کوئی انٹر سٹ نہیں تھا، جو کئی دن سے خالی پڑی تھی، تو کیا تم اس بات پہ مجھ سے خفا ہو گے؟“

”مشورہ، ماہر... مشورہ بھی نہیں کیا تم نے مجھ سے۔“ بیربل کا چہرہ گلابی ہو رہا تھا اور پلکیں گیلی۔

”کیا تم انکار کر دیتے؟“

بیربل نے ملا متی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے سردائیں بائیں ہلایا۔

”میں جانتا ہوں تم نے یہ کیوں کیا ہے۔“

”مجھے پیسوں کی ضرورت...“

”تم نے یہ پیسوں کے لیے نہیں کیا۔ میں شبنم سے پوچھ چکا ہوں۔“

ماہر کا ہاتھ تہہ شدہ کوٹ پہ دباؤ دے ہوئے تھا جب بیربل بولا۔

”تم نے بیکری مالا کے نام کی ہے۔ گفٹ۔“

کوٹ پر رکھا ماہر کا ہاتھ ڈھیلا پڑ گیا۔

سوزین کو سمجھنے میں چند لمحے لگے اور پھر اس کی آنکھوں میں جیسے انگارے اتر آئے۔

"آپ.... آپ کیسے اتنی پرائم لوکیشن کسی کو گفٹ..."

"میں اپنے بھائی سے بات کر رہا ہوں۔" ماہر نے تنبیہا ہاتھ اٹھایا۔

"حالانکہ اپنے بھائی سے آپ کو پہلے بات کرنی چاہیے تھی۔" اب وہ پیچھے ہو کے بیٹھی، ٹانگ پر ٹانگ جمائی اور بازو سینے پر لپیٹ لیے۔ اس کی نگاہیں اب ایک بھائی سے دوسرے بھائی تک ٹینس بال کی طرح سفر کر رہی تھیں۔

"میں مالا کا مقروض تھا۔ اس کی بیکری کا خواب میری وجہ سے چکنا چور ہوا تھا۔ کم سے کم میں اس کے لئے یہی کر سکتا تھا۔ اور تم اسے بند کر چکے تھے..."

"بات یہ نہیں ہے کہ میری بیکری فلاپ تھی یا میں سارے عملے کو فائر کر چکا تھا۔ بات یہ ہے ماہر... کہ تم مجھ سے پوچھ سکتے تھے، مجھے بتا سکتے تھے۔ میں نے..." اس نے ساتھ بیٹھی بیوی کی طرف اشارہ کیا۔ "سوزی سے وعدہ کر لیا تھا وہ عمارت اسے دینے کا۔"

"یعنی تم بیکری چلانے میں مزید انٹر سٹڈ نہیں تھے؟ گڈ!"

بیربل لب بھنے ملاں سے اسے دیکھے گیا۔

"میں اس خوش فہمی میں تھا کہ تم کبھی بھی اپنی انویسٹمنٹ واپس نہیں مانگو گے۔ لیکن نہیں، ماہر بے کو سارے حساب یاد ہیں۔ تم ہمیشہ کہتے ہو کہ فلاں اور فلاں میری دولت کے پیچھے ہے۔ اس واقعے کے بعد میں کیا سوچوں گا؟ کہ اصل میں کون میری دولت کے پیچھے ہے؟"

ماہر کے ماتھے پر بل پڑے۔ ہونٹ کھولے کچھ سخت کہنے کے لئے، پھر نگاہ سوزی پہ پڑی۔ وہ زیر لب مسکرا رہی تھی۔ باری باری دونوں کو دیکھتے ہوئے جو آمنے سامنے تھے۔

ماہر نے گہری سانس لی۔ بہت کچھ اپنے اندر دھکیلا۔ پھر ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی، تہہ شدہ کوٹ اٹھایا اور اٹھ

کھڑا ہوا۔

”جو چیز میرے نام پہ ہے، اسے بیچنے کے لئے مجھے کسی کی اجازت نہیں چاہیے۔ البتہ میری بہت ساری پر اپرٹی تمہارے نام ہے۔ یقیناً تمہاری وکیل... سوری، بیوی نے اب تک تمہیں آگاہ کر دیا ہو گا۔ تم جب چاہو اس میں سے کچھ بھی بیچ کے سوزی کو دے سکتے ہو۔ کیونکہ سوزی کو مہنگے تحفے پسند ہیں۔ گڈ نائٹ!“

”ماہر...“ وہ خفگی سے بولا تھا لیکن ماہر کوٹ اور فائل لیے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کا دروازہ بند ہوتے ہی سوزین اس کی طرف گھومی۔

”تمہارے بھائی نے صرف مجھے نیچا دکھانے کے لئے اتنی قیمتی جگہ اپنی اس پرانی محبوبہ کو گفٹ کر دی۔ وہ جگہ تمہاری تھی، بیر بل۔ کاغذات میں بے شک اس کا نام ہو، لیکن اتنے برس اس پہ محنت تم نے کی تھی۔ پھر وہ کیسے...“

وہ دھیمی آواز میں تیز رفتاری سے بولے جارہی تھی اور بیر بل ٹیک لگائے بیٹھا خاموشی سے سن رہا تھا۔ اس کے سر میں درد کی ٹیسیں اٹھنے لگی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس صبح وہ اپنا ایک پارسل وصول کرنے اپارٹمنٹ بلڈنگ کی لابی تک آئی تھی جب مرمریں دیوار میں نصب لفٹس میں سے ایک کے دروازے کھلے۔ اندر سے نکلنے والے شخص کو دیکھ کے کشمالہ کے قدم وہیں جم گئے۔ پھر وہ تیزی سے اس کی جانب لپکی۔

”بیر بل۔“

بیر بل فرید اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ گریبان میں اٹکے سن گلاسز اتار کے کھولتا ہوا وہ دوسرے ہاتھ سے موبائل دیکھتا داخلی دروازے کی طرف جارہا تھا۔

”بیر بل! سنو... رکو...“ وہ عین اس کے سامنے آئی تو وہ چونک کے رکا۔

پھر مالا کے چہرے پہ نظر پڑتے ہی چہرہ مزید سنجیدہ ہو گیا۔ سن گلاسز آنکھوں پر لگا کے تاثرات چھپا لیے لیکن وہ ان تاثرات کو دیکھ چکی تھی۔

”بیر بل، پلینز میری بات سنو۔ اس میں میرا کوئی قصور نہیں تھا۔“

بیر بل نے جواب نہیں دیا۔ وہ داخلی دروازے کی جانب بڑھ گیا۔

”کیا ہم بیٹھ کے بات کر سکتے ہیں؟“

بیر بل جواب دیے بنا چلتا گیا۔

”اس میں میرا کیا قصور ہے؟“

وہ لابی کے وسط میں کھڑی زور سے بولی تھی۔ چند گردنیں اس کی طرف مڑیں۔ تاد ہی نظریں اٹھیں۔

بیر بل بھی رک گیا۔ پلٹ کے اسے دیکھا۔ پھر سن گلاسز اتاریں تو چہرہ سنجیدہ تھا۔ قدم قدم چلتا واپس اس کے قریب آیا۔

”تمہارا اس میں کوئی قصور نہیں ہے، مالا۔ میں جانتا ہوں۔ ہم سب مہرے ہیں ماہر بے کی شطرنج کی بساط پہ۔ وہ جس کو جب چاہے اپنے مقصد کے لئے استعمال کرے۔“

”ایسی بات نہیں ہے، بی۔ وہ تم سے محبت کرتا ہے۔ تمہارے لئے پروٹیکٹو ہے۔“

بیر بل کے چہرے پر استہزایہ مسکراہٹ ابھری۔ نفی میں سر ہلایا۔

”ماہر بے کو صرف ایک چیز سے محبت ہے۔ پیسے سے۔“

”اب تم exaggerate کر رہے ہو۔ مانا کہ تمہیں اس کے فیصلے سے دکھ پہنچا ہے۔ تمہاری جگہ میں بھی

ہوتی تو مجھے بھی پہنچتا۔ بلکہ میں تو تھی۔ یاد ہے اوشن کے ساتھ کیا ہوا تھا؟“

”اور مجھے یہ بھی یاد ہے، مالا... کہ میں نے کئی برس پہلے تمہیں یہ پیشکش کی تھی کہ تم میرے ساتھ چلو اور ہم اس بیکری کو مل کے چلائیں۔ میں واقعی تمہارے ساتھ کام کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اس طرح نہیں۔“ اس نے گردن دائیں بائیں ہلائی۔ ”اس طرح نہیں۔“

”میں جو کچھ بھی کہہ لوں، تمہاری بدگمانی ابھی دور نہیں کر سکتی۔ اس وقت تمہاری نظر میں میں ولن ہوں۔ لیکن اتنا سن لو کہ میں نے وہ بیکری قبول نہیں کی۔ میں نے ماہر سے اس کی فائل بھی نہیں لی۔ میں جلد یا بدیر تم لوگوں کی زندگی سے نکل جاؤں گی۔ لیکن اگر میں اس کو نہ لیتی تو ماہر شاید کسی اور کو بیچ دیتا۔ سو جب تک میں یہاں ہوں، میں کسی امانت کی طرح اس کا خیال رکھوں گی۔ اور جانے سے پہلے تمہارے حوالے کروں گی اسے۔ یہ بیکری تمہاری تھی اور تمہاری ہی رہے گی۔ چاہے کاغذ پہ نام ماہر کا ہو یا مالا کا۔“

بیر بل کی آنکھوں میں زخمی سا تاثر ابھرا۔ اس نے سن گلاسز واپس آنکھوں پر لگائے۔

”مجھے بیکری میں کوئی انٹرسٹ نہیں ہے، مالا۔ یہ تمہیں مبارک ہو۔“

”ماہر صرف تمہارے لیے پوزیو ہے۔ وہ تمہاری حفاظت کرنے کے لئے...“

”ماہر کے بارے میں مجھ سے بات مت کرو۔“ وہ درشتی سے کہتا آگے بڑھ گیا۔ مالا نے افسوس سے اسے جاتے دیکھا۔ بہت سا فاصلہ تھا جو ان کے درمیان آگیا تھا۔

”اف ماہر، اف!“



اگلے دو دن بیر بل کی ماہر سے ملاقات نہیں ہوئی۔ وہ دونوں ایسے اوقات میں گھر آتے تھے جب دوسرا موجود نہ ہوتا تھا یا کم از کم سامنے نہ ہوتا۔ ہلال زیادہ وقت اپنے کمرے میں رہی۔ فیضی حانم الگ سہمی ہوئی تھیں۔ گھر کے ماحول میں مسلسل ایک تناؤ کی کیفیت تھی۔ صرف ایک سوزی تھی جو ریلیکس سی کھاپی رہی تھی، ٹی وی

دیکھ رہی تھی یا باہر گھوم پھر رہی تھی۔ اس کے اوپر سے منوں بوجھ اتر گیا تھا۔ اب اسے کسی قسم کا دکھاوا کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اب وہ کھل کے کھیل سکتی تھی۔

ماہر سے بیر بل کی ملاقات تیسرے دن ہسپتال میں ہوئی۔

عبدالملک فرید کا کلینکل ٹرائل ایک پرائیویٹ سیٹ اپ میں ہو رہا تھا۔ یہ ایک چھوٹا سا مگر جدید آلات سے لیس ہسپتال تھا جس کی عمارت میں جگہ جگہ دیوار گیر شیشے استعمال کیے گئے تھے۔ جس ہال میں مالک فرید کو رکھا گیا تھا، اس کی شیشے کی دیوار ایک zen سے سن روم میں کھلتی تھی۔ یہ اوپن ٹواسکائی سن روم تھا۔ اس کی چھت شیشے کی تھی اور اس میں بہت سے پودے رکھے گئے تھے۔ جگہ جگہ کین کے آرام دہ کاؤچ رکھے تھے جن پر مریضوں کے اٹینڈینٹ اور فیمیلر بیڈ کے شیشے کی دیوار کے پار اپنے مریض کو دیکھ سکتے تھے۔

ماہر اور بیر بل دو کرسیوں پر ساتھ ساتھ بیٹھے تھے۔ سامنے شیشے کی دیوار کے پار قطار میں بیڈ دکھائی دیتے تھے۔ ہر بیڈ پر ایک مریض لیٹا تھا اور اس کو نالیوں کے ذریعے آئی وی بیگ میں ایک پانی کی طرح شفاف رنگ کی دوا لگی تھی۔ مالک فرید عینک آنکھوں پہ لگائے موبائل پہ جھکے تھے۔ وہ ان کی طرف متوجہ نہیں تھے یا شاید جان بوجھ کے انہیں دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔

”میں نے ایک فیصلہ کیا ہے۔“

ماہر نے چہرہ گھما کے اسے دیکھا۔

چھوٹے گھنگریالے بالوں والا بیر بل آنکھوں پہ سن گلاسز جمائے سامنے دیکھ رہا تھا۔

”ابھی بتاؤ گے یا فیصلے پہ عمل کرنے کے بعد؟“

بیر بل نے چشمہ اتار کے نیچے رکھا۔ نگاہیں سامنے جمی رہیں۔

”میں سوزین کی لاء فرم میں انویسٹ کرنے جا رہا ہوں۔“ ماہر کے ابرو استعجاب سے اٹھے۔ چند لمحے کے

لئے وہ کچھ بول نہ سکا۔

”اور اس کے لئے میں اپنی کچھ پراپرٹی بیچنے لگا ہوں۔“

”کیا تمہیں یہ یاد ہے کہ تم کبھی کسی لاء اسکول نہیں گئے؟“

”انویسٹمنٹ کرنے کے لیے میرا وکیل ہونا ضروری نہیں ہے۔ میں انویسٹمنٹ کروں گا۔ ہم چند اچھے لائیرز ہائر کریں گے اور باقی معاملات سوزین دیکھے گی۔ ہم مل کے لاء فرم کو چلائیں گے۔“

ماہر فرید نے بہت ضبط سے بظاہر سمجھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

”یہ اس شہر کی پہلی لاء فرم ہوگی جس کا مالک وکیل نہیں ہوگا۔“

”میں اپنا ریسرچ کر چکا ہوں۔ بہت سی لاء فرمز کے مالک وکیل نہیں ہوتے۔“

”یہ ریسرچ تمہاری بیوی نے لکھا ہو گا یقیناً۔“

بیربل نے شکایتی نظروں سے اسے دیکھا۔

”پہلے میں سمجھا تھا کہ تم میرے اور اس کے رشتے کو قبول کرنے میں وقت لو گے۔ لیکن نہیں۔ تم وقت لینا ہی نہیں چاہتے۔ تم اس رشتے کو سبوتاژ کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے رہو گے کیونکہ تم ایک کنٹرول فریک ہو، ماہر۔ اور تمہیں میرا انڈیپنڈنٹ ہونا اور تمہارے کنٹرول سے نکل جانا بے چین کر رہا ہے۔ بہتر ہے کہ تم اپنی زندگی پہ فوکس کرو اور مجھے اور سوزین کو اپنے حال پہ چھوڑ دو۔“

”میں کب کا تم لوگوں کو تمہارے حال پر چھوڑ چکا ہوں۔ تمہاری جو مرضی تم کرو۔“

”مجھے پیپرز چاہئیں۔ اس کاٹیج کے جو تم نے میرے نام پہ لے رکھا ہے۔ میں اسے بیچنے لگا ہوں۔“ وہ پوچھ نہیں رہا تھا، بتا رہا تھا۔

ماہر نے شیشے کے پار مالک فرید کو دیکھتے ہوئے ہلکے سے کندھے اچکائے۔

”کل میرا وکیل پیپر ز تمہارے حوالے کر دے گا۔ شوق سے بیچو اس گھر کو، بلکہ اپنے نام کی گئی ہر چیز کو۔ جب وہ تمہیں کنگال کر کے چھوڑ جائے تو میرے پاس آ جانا۔ میں یہیں ہوں گا۔“ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

”فکر مت کرو۔ میں تمہارے پاس کبھی نہیں آؤں گا۔“

”واٹ ایور۔“ وہ آگے بڑھ گیا اور شیشے کی دیوار کے قریب آ کھڑا ہوا جہاں زارا کھڑی تھی۔ اس کی نگاہیں عبدالمالک فرید پہ جمی تھیں جو اب قدرے اکتاہٹ سے پہلو بدل رہے تھے۔ تکلیف کے آثار ہر مریض کے چہرے پہ تھے، چاہے اسے placebo لگ رہا تھا یا اصل دوا۔

”بابا ٹھیک ہو جائیں گے نا؟“ وہ قریب آیا تو زارا نے پوچھا۔ کندھوں پر شال لپیٹے وہ گلابی ہوتی ناک اور گیلی آنکھوں سے مالک فرید کو دیکھ رہی تھی۔ شال سے اس کے آدھے بال چھپ گئے تھے۔ میک اپ بھی نہیں کر رکھا تھا۔ وہ اداس تھی۔

”ہم اپنی ہر ممکن کوشش جاری رکھیں گے، زارا۔ تم دعا کرو۔“ وہ نرمی سے بولا۔ زارا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ چند لمحے وہ دونوں ساتھ ساتھ کھڑے رہے۔ اسی پل ماہر کی کلائی پر بندھی گھڑی تھر تھرانے لگی۔ ماہر نے موبائل نکالا۔ گرین آئز کالنگ۔ زارا کی نگاہ بھی اسکرین پہ جھکی۔

”ماہر... اگر کوئی ضروری کام نہیں ہے تو کیا تم کچھ دیر یہاں رک سکتے ہو؟“

فون دو گھنٹیوں کے بعد خاموش ہو گیا تھا۔ اس نے چہرہ اٹھا کے زارا کو دیکھا۔

”اصل میں میں کبھی بھی بابا کے علاج کا حصہ نہیں بنی تھی۔ تم ہمیشہ ان کے ساتھ رہے ہو۔ آج پہلی دفعہ میں ان کو یوں ایک دوا لگتے ہوئے تکلیف میں دیکھ رہی ہوں اور مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا۔“ آنسو اس کی پلکوں پہ اٹکے تھے۔ انگلیاں کسی بھی قسم کی انگوٹھی سے خالی تھیں۔ ایک گلٹ ساتھ ماہر کے دل کو بو جھل کرنے لگا۔

”میں یہیں ہوں، ڈونٹ وری۔“ اس کی تسلی پہ زارا مسکرا دی اور سامنے دیکھنے لگی۔

”کیا کچھ ارجنٹ ہے، مالا؟“

کال بیک کی بجائے اس کی انگلیاں میسیج ٹائپ کرنے لگیں۔ چند لمحے بعد ہی جواب موصول ہوا تھا۔

"No. By mistake."

وہ چند لمحے مالا کے میسیج کو دیکھے گیا۔ اگر کوئی اہم بات ہوتی تو وہ دو گھنٹیوں بعد کال نہ کاٹی۔ شاید واقعی غلطی سے کال کی ہو۔ صبح صبح وہ کہاں کال کر سکتی تھی۔

اس نے موبائل جیب میں ڈال دیا، پھر دوبارہ سے تسلی آمیز انداز میں بولا۔ ”میں یہیں ہوں۔ ڈونٹ وری۔“

اب وہ دونوں خاموشی سے ساتھ ساتھ کھڑے دیوار کے پار دیکھ رہے تھے۔ پیچھے بیربل کرسی پر بیٹھا تھا اور ایک کونے میں عمار کھڑا تھا۔ سب کی نگاہیں مالک فرید کے چہرے پہ جمی تھیں، وہ مالک فرید جنہیں وہ بچپن سے شنیر کرتے آرہے تھے۔ جن سے ان کا love-hate ریلیشن شپ ہمیشہ قائم رہا تھا۔ اور وہ سب جانتے تھے کہ اگر مالک فرید اس بیماری کا مقابلہ نہ کر سکے، تو ان کا غم ان کی محبت سے بڑھ جائے گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

”ہیپی برتھ ڈے ٹویو۔“

گھنٹی کی مدھم کھنک۔ باریک مردانہ آواز۔

”ہیپی برتھ ڈے ٹویو۔“

وہ ایک طویل گلی تھی جس کے دونوں اطراف میں legos کی طرح رنگ برنگی عمارتیں کھڑی تھیں۔ فیروزی، زرد، جامنی، سرخ، سبز۔

گلی ایک بند سرے پہ ختم ہوتی تھی۔ وہاں اینٹوں سے بنی ایک دیوار تھی۔ وہ دور سے اس دیوار کو دیکھ سکتی تھی۔

اس کے ساتھ بدر بیٹھا تھا۔ چھوٹا سا بچہ۔ سر گھٹنوں پر رکھے۔

مالانے قدم اٹھانے کی کوشش کی مگر قدم اٹھ نہیں پارہے تھے۔

اس نے حلق سے آواز نکالنے کی کوشش کی لیکن بہت زور لگانے کے باوجود وہ ایک لفظ بھی بول نہیں پا رہی تھی۔

کسی کی موجودگی کے احساس کے تحت اس نے گردن گھمائی۔

دوسری جانب بھی گلی ایک دیوار تک ختم ہو جاتی تھی۔ اس نے سوچا کہ اگر گلی کے دونوں اطراف میں دیواریں ہیں تو وہ اس میں کیسے داخل ہوئی؟

کیا وہ حقیقت تھی یا کیا وہ کسی خواب میں تھی؟

اور اگر وہ کوئی خواب ہے تو وہ اس کو ختم نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اسے خواب کے اندر رہنا تھا۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹویو۔"

گھنٹیوں کی کھنک کہیں دور سے سنائی دے رہی تھی۔

گلی کا دوسرا سرا انسان نہ تھا۔ وہاں کوئی تھا۔

وہ اس جانب قدم بڑھانا چاہتی تھی لیکن وہ حرکت نہیں کر رہے تھے۔

دھندلا منظر واضح ہونے لگا۔ ایک فرہم عورت اپنی سبز آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ شال

سر پہ اوڑھے، بوڑھی کلائیوں میں سونے کے کنگن پہنے۔

اس کے حلق میں پانی جمع ہونے لگا۔

"ماں! پلکیں بھگنے لگیں۔"

انہوں نے جواب نہیں دیا۔ وہ بس اسے دیکھ رہی تھیں۔ ان کی بوڑھی آنکھوں میں کچھ تھا۔ ایک پریشانی، ایک فکر مندی بھراتاثر۔

"ماں؟"

لیکن وہ اسے نہیں دیکھ رہی تھیں۔ وہ اس کے کندھے کے پیچھے دیکھ رہی تھیں۔
مالانے گردن موڑی۔

دوسرے سرے پہ وہی بچہ تھا۔ سرگھٹنوں پر رکھے۔

"ماں..." اس نے کہنے کی کوشش کی لیکن الفاظ نکل نہیں رہے تھے۔ وہ جانتی تھی کہ وہ ایک خواب تھا۔ لیکن اس خواب میں کچھ اور بھی تھا۔ کسی سوال کا جواب۔ ایک گھنٹی۔ ایک آواز۔

وہ ماں سے پوچھنا چاہتی تھی کہ وہ کیوں پریشان تھیں۔ اور وہ بچہ... وہ بدر تھا... وہ اس کو ایسے کیوں دیکھ رہی تھیں؟

وہ ان دونوں کے وسط میں کھڑی تھی۔ وہ ان میں سے کسی کی طرف قدم نہیں بڑھا سکتی تھی۔

بچے نے گھٹنوں پر رکھا سر ابھی تک نہیں اٹھایا تھا۔ وہ ہر پل اس سے دور ہو رہا تھا۔ درمیان میں فاصلے بڑھتے جا رہے تھے اور رنگ برنگی عمارتیں اونچی ہوتی جا رہی تھیں۔

ہیپی برتھ ڈے ٹویو۔

ایک جھٹکے سے کشمالہ کی آنکھیں کھلیں۔ وہ تیزی سے اٹھ بیٹھی۔ دائیں بائیں دیکھا۔

وہ کہاں تھی؟ اپنے کمرے میں۔

رات دیر تک جاگنے کے بعد صبح نہ جانے وہ کس وقت سوئی تھی۔ دن نکل آیا تھا۔

اس نے خالی خالی نظروں سے اپارٹمنٹ کی سفید دیواروں کو دیکھا۔

یہ اس کابلت کا اپارٹمنٹ نہیں تھا۔ لیکن وہ عمارتیں جو اس نے خواب میں دیکھی تھیں، وہ بلیت کی ہی تھیں۔ رنگ برنگی۔ اسے وہ عمارتیں کیوں دکھائی دیں؟ کیا اس لیے کہ اس روز وہ ماہر کے ساتھ وہاں گئی تھی؟
رنگین سیڑھیوں پہ؟

کیا اس لئے کہ چند ہفتے اس نے ان عمارتوں کے درمیان گزارے تھے؟ اور ماں اس خواب میں کیوں تھیں؟

(تمہاری اور تمہاری ماں کی کہانی اب شروع ہوگی۔)

برسوں پہلے ایک ہمسائے میں رہنے والی آنٹی کا کہا فقرہ یاد آیا۔ ان گزشتہ ماہ و سال میں ماں سے اس کا ایک نیا تعلق بنا تھا۔ وہ خوابوں میں آتی تھیں۔ کسی مشکل سے پہلے۔ کسی خوشی سے پہلے۔ وہ اسے وارن کر جاتی تھیں۔ یا وہ اسے اچھی خبر سنا دیتی تھیں۔ کبھی وہ ان کے لیے صدقہ کرتی تو وہ اسے خوش دکھائی دیتی تھیں کہ جیسے انہیں اس کا بھیجا تحفہ مل گیا ہے۔ اور کبھی کسی مصیبت سے پہلے آتیں تو اسے کوئی اشارہ دے جاتیں۔ جیسے کوئی بڑا سمجھارہا ہوتا ہے۔

لیکن ایسی پریشان تو وہ کبھی نہیں دکھائی دی تھیں۔

وہ کیوں پریشان تھیں؟

اس کا سارا جسم پسینے سے تر تھا۔ دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ وہ آواز پچی برتھ ڈے ٹویو، وہ بہت عرصے بعد سنائی دی تھی۔ کیا ہلال اب بھی اپنے میوزک باکس کی چابی کو گھماتی تھی؟ وہ میوزک باکس کہاں گیا؟ سوال ہی سوال اس کے کانوں میں گونجنے لگے۔ شور اتنا زیادہ تھا کہ اس نے گھبرا کے فون اٹھایا۔ انگوٹھے نے خود بخود فون بک کھولی اور بنا سوچے سمجھے ماہر فرید کو چھوا۔ دو گھنٹیاں گئی تھیں کہ اس نے جلدی سے کال کاٹ دی۔ دن پوری طرح روشن تھا۔ یہ ماہر کا مصروف وقت ہوتا تھا۔ اسے اس کو کال نہیں کرنی چاہیے تھی۔ وہ اس کے لئے کیا کر سکتا تھا؟

وہ چند منٹ فون ہاتھ میں لیے دم سادھے بیٹھی دیکھتی رہی۔ کبیرہ سادان کے کئی میسیجز موصول ہوئے رکھے تھے لیکن مالانے ابھی ان کو نہیں کھولا۔ اسے ماہر کی کال کا انتظار تھا۔ جانتی تھی وہ کال بیک کرے گا۔ پھر وہ اسے کیا کہے گی؟ کہ اسے ایک برا خواب آیا اور اس نے ڈر کے ماہر کو فون کر دیا؟ لیکن کیا وہ خواب برا تھا یا وہ اسے کچھ بتانا چاہ رہا تھا؟

”کیا کچھ ارجنٹ ہے، مالا؟“ میسج موصول ہوتے ہی اس کے کندھے ڈھلک گئے۔ وہ یقیناً اس کے کام کا وقت تھا۔ وہ کسی میٹنگ میں، کسی کنسرکشن کے معاملے میں مصروف کھڑا ہو گا اور مالا ایسے ہی اس کا وقت ضائع کرے گی۔ وہ اس کا ہر مسئلہ نہیں حل کر سکتا تھا۔ جتنا کر چکا تھا وہ بہت تھا۔ اس کی انگلیاں ٹائپ کرنے لگیں۔

”نہیں۔ غلطی سے۔“ اور فون بے دلی سے پرے ڈال دیا۔ ذہن ابھی تک خواب کے درمیان پھنسا تھا۔

اور وہ گھنٹی کی آواز۔ وہ کیا تھی؟

جیسے قدیم زمانوں میں دروازوں کے ساتھ باندھی جانے والی گھنٹیاں ہوں... جو چھونے پہ ایک دوسرے سے ٹکرائیں اور بج اٹھیں۔ یہ آواز اس نے پہلے کہیں نہیں سنی تھی۔ یہ کہاں سے اس کے لاشعور میں گھس آئی تھی؟

سوال در سوال۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مالا کے کمرے کی دیوار کے پار.... ہلال کے کمرے کی بتیاں بجھی تھیں۔ کھڑکی کھلی تھی جس کی روشنی نے سارے کمرے کو منور کر رکھا تھا۔ وہ اسٹول پر بیٹھی اسٹینڈ پر رکھی ٹیپیسٹری کے دھاگے انگلیوں سے بٹن رہی تھی۔ بال اونچی پونی میں بندھے کسی گھنگریالی آبشار کی طرح نیچے گر رہے تھے۔

اس نے ایک گرہ لگائی، جھک کے دانت سے گانٹھ کو مضبوط کیا، پھر سیدھی ہوئی۔ آنکھیں دور کسی غیر مرئی نقطے پہ جمی تھیں اور دونوں ہاتھ ٹیپیسٹری کے اسٹینڈ کو اٹھا رہے تھے۔

وہ کمرے میں تنہا تھی، پھر بھی رک کے محسوس کیا۔ نہیں۔ کوئی نہیں تھا وہاں۔

اس نے احتیاط سے چوکھٹا اٹھایا۔ پھر اسے پلٹایا۔

اصل تصویر پیچھے کی جانب بن رہی تھی۔ ٹیپسٹری کو الٹانے سے وہ دکھائی دیتی تھی۔ سامنے سے تو یوں لگتا تھا کہ رنگین دھاگوں کی گانٹھوں کا ملغوبہ ہے۔

لیکن جب الٹا کے دیکھو تو ایک تصویر کا دامن نمایاں ہو رہا تھا۔ اس کا نچلا حصہ جہاں کڑھائی کی طرح رنگ ایک تصویر بنا رہے تھے۔

بھوری زمین۔ اور اس کے اوپر ایک جامنی گھنٹی گری تھی۔ قدیم زمانوں کی چرچ بیل کے جیسی۔ ہلال کی انگلیوں نے ابھری ہوئی گھنٹی کو چھو کے اس کے کناروں کو انگلی سے جیسے ٹریس کیا۔ پھر تسلی سے سر ہلایا اور ٹیپسٹری کو الٹا دیا۔ اب وہ پھر سے رنگین دھاگوں کا ایک ملغوبہ لگ رہی تھی۔ تصویر چھپ گئی تھی۔

ہلال نے سوئی اٹھالی اور اس کے اوپر جھک گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رات کے اس پہر بلت کی روشنیاں مدھم ہو چکی تھیں۔ گلی میں چند دکانیں ہی روشن تھیں اور اکا دکا راگبیر سڑک سے گزر رہے تھے۔ رنگین سیڑھیاں البتہ نیم اندھیرے میں ویران پڑی تھیں۔ اسٹریٹ پولز کی روشنی چند زینوں کو منور کیے ہوئے تھی۔ باقی جگہ اندھیرا تھا۔

ایسے ہی ایک اندھیرے پر وہ بیٹھی تھی۔ پتھرلی دیوار سے ٹیک لگائے، سینے پہ بازو لپیٹے، گرم کوٹ میں ملبوس، بال پونی میں باندھے، وہ مٹھی میں کچھ دبائے ہوئے تھی۔ دفعتاً وہ قدموں کی آواز پہ چونکی۔ گردن ترچھی کر کے دیکھا۔

گلی کی سمت سے کوئی چلتا آ رہا تھا۔ سایہ سا سڑک پہ دکھائی دیتا تھا۔ مالا کے کندھے ڈھلک گئے۔ گہری سانس خارج کی۔ وہ اس سایے کو پہچانتی تھی۔

وہ بنا کچھ کہے اس سے تین زینے نیچے بیٹھا۔ سرمئی گرم کوٹ میں ملبوس۔ گردن کے گرد لپٹا مفلر۔ اسٹریٹ پول کی روشنی اس کے اوپر پڑ رہی تھی۔ مالا البتہ اندھیرے میں تھی۔

”تمہیں کیسے معلوم ہوا میں یہاں ہوں؟“ وہ حیران نہیں ہوئی تھی۔ بس بجھی بجھی تھی۔

”کیا تم بھول گئیں؟ میں نے تمہارے فون میں ٹریکنگ ایپ ڈال رکھی ہے جس سے ہم دونوں ایک دوسرے کو ٹریک کر سکتے ہیں۔“ ماہر فکر مندی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ”تم نے صبح دو گھنٹیاں دے کر کال کاٹ دی۔ میں سمجھا واقعی غلطی سے کی ہوگی۔ لیکن تب سے تم نے سارے دن میں میری کسی کال کا جواب نہیں دیا۔ میں پریشان ہو گیا تھا۔“

مالا دیوار سے سر ٹکائے اسے دیکھے گئی۔

”تم بیکری بھی نہیں گئیں، آفس بھی نہیں آئیں۔ کچھ تو ہوا ہے نا۔“ وہ غور سے اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ گالوں پہ دودانے نمایاں ہو رہے تھے۔ مگر ان کے علاوہ بھی کچھ تھا جو اس نے گزشتہ ڈیڑھ ماہ میں اس کے چہرے پہ نہیں دیکھا تھا۔

”کیا ہوا ہے، مالا؟“ وہ اسٹریٹ پول کی روشنی میں تھا اور وہ اندھیرے میں۔ ان دونوں کو نیم تاریک منظر ناموں میں بیٹھنے کی پرانی عادت تھی۔

”میں نے ماں کو خواب میں دیکھا۔ بہت دن بعد۔“

مالا آنکھیں اٹھائے سیاہ آسمان کو دیکھے گئی۔ رنگ برنگے لالٹین اوپر لڑی میں پروئے تھے لیکن بجھے ہوئے تھے۔

”یہ تو اچھی بات ہے۔ کیا دیکھا تم نے؟“

مالا نے نفی میں سر دائیں بائیں ہلایا۔ ”وہ پریشان تھیں۔ بدر کو دیکھ کے۔“

”ہر خواب حقیقت نہیں ہوتا۔ ضروری نہیں ہے کہ۔۔۔“

”کیا معلوم میں غلط ہوں؟“

ماہر نے نا سمجھی سے ابرو اٹھائے۔

”کس بارے میں؟“

”عبدالملک فرید کہتے ہیں کہ اتنے عرصے تک کھوئے گئے بچے نہیں ملتے۔ چنگیز نے بھی یہی کہا تھا۔ ماہی نے بھی۔ عباد نے بھی۔ ہر ایک نے مجھے یہی کہا۔ اس لاش کا پوسٹ مارٹم کرنے والوں نے۔ پولیس نے۔ یہاں تک کہ تم نے بھی۔ مگر میں نے یقین نہیں کیا۔ مجھے ضد تھی کہ جیسے ہلال مل گئی تھی، ویسے ہی بدر بھی مل جائے گا۔ لیکن کیا معلوم میں غلط ہوں۔“

اس نے نگاہیں آسمان سے ہٹا کے ماہر کی طرف موڑیں تو وہ اس تاثر کو پہچان گیا جو اس نے عرصے بعد ان آنکھوں میں دیکھا تھا۔ شکست۔ مایوسی۔

”لوگوں کے بچے مر جاتے ہیں، ماہر۔ ہو سکتا میرا بھی مر گیا ہو اور مجھے معلوم نہ ہو۔ صرف اس لئے کہ ہلال زندہ نکلی، ضروری نہیں ہے کہ ہر بچہ زندہ مل جائے۔“

”مالا۔۔۔“

”میں کسی کی بات نہیں سنتی۔ میں کسی کی بات نہیں مانتی۔ ساری دنیا نے مجھے کہا کہ کھوئے ہوئے بچے نہیں ملتے۔ کم از کم زندہ نہیں۔ جو آخری فوٹیج ہم نے اس کی دیکھی، وہ کئی ماہ پہلے کی تھی۔ کیا گارنٹی ہے کہ انہوں نے اب تک اس کو زندہ رکھا ہو گا؟“

”مالا۔۔۔۔۔“

"اگر وہ زندہ ہوتا تو عالیاں مجھے کوئی ثبوت دکھاتا۔ کوئی ویڈیو۔ کوئی تصویر۔ لیکن اس نے مجھے ایسا کچھ نہیں دکھایا۔" آنسو ٹپ ٹپ چہرے پہ گر رہے تھے۔ "میں اپنی ضد کے پیچھے یہاں آئی ہوں کہ میں غلط نہیں ہو سکتی۔ مالا غلط نہیں ہو سکتی۔ لیکن میں زندگی میں بہت دفعہ غلط ثابت ہوئی ہوں۔ پھر بھی مجھے یقین تھا کہ وہ زندہ ہے۔ سو میں نے کسی کی نہیں سنی۔ ماہی کی بھی نہیں۔ زیادتی بھی نہیں۔ لیکن میں اپنی ماں کی کیسے نہ سنوں؟"

آنسو لڑھک کے گردن تک پھسل رہے تھے۔ وہ جو اسے درمیان میں بار بار ٹوکنے کی کوشش کر رہا تھا، ٹھہر گیا۔

"ماں پریشان تھیں۔ میرے لیے نہیں۔ بدر کے لیے۔ ان کی آنکھوں میں غم تھا۔ جیسے کچھ برا ہو چکا ہو اور وہ کچھ نہ کر سکتی ہوں۔ مجھے ایک ہی خیال آرہا تھا خواب میں۔ کہ میں اور بدر ایک دنیا میں نہیں ہیں۔ شاید وہ ماں کی دنیا میں چلا گیا ہے۔ اور میں ایک الوژن کے پیچھے بھاگ رہی ہوں۔"

گلی سے گزرتے دو سیاحوں نے گردن موڑ کے انہیں دیکھا پھر آگے بڑھ گئے۔ ان کے سایے ان کے پیچھے چلتے گئے۔

"شاید میرا بیٹا مر چکا ہے اور چونکہ میں اس کو بچا نہیں سکی، سو اپنے گلٹ کو کم کرنے کے لئے میں سب سے جھوٹ بول رہی ہوں۔ خود سے بھی۔ تاکہ کوئی مجھے الزام نہ دے سکے کہ میں اپنے بیٹے کی حفاظت نہیں کر سکی۔ میں ایک ماں کے طور پہ فیمل ہو گئی ہوں، ماہر۔"

آنسو گرتے جا رہے تھے اور الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کے ادا ہو رہے تھے، یہاں تک کہ اس سے بولنا مشکل ہو گیا۔ لیکن وہ مسلسل نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

"سب نے کہا وہ مر چکا ہو گا۔ اب تو میرے خواب نے بھی کہہ دیا ہے کہ وہ میری دنیا میں نہیں ہے۔ وہ ماں کی دنیا میں ہے۔"

"اور تمہارا دل؟ وہ کیا کہتا ہے؟"

مالانے ایک ہاتھ سے آنسو رگڑنے چاہے لیکن وہ مسلسل ابلتے جا رہے تھے۔ دوسری مٹھی ہنوز بند تھی۔

”میں اپنے بیٹے کا خیال نہیں رکھ سکی۔ اس کی حفاظت نہیں کر سکی۔ اس کا کوئی قصور نہیں تھا اس سب میں۔ میں نے اس کو فیل کیا ہے۔ سب کہتے تھے کہ وہ مرچکا.....“

”میں پوچھ رہا ہوں کہ تمہارا دل کیا کہتا ہے؟“

وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ مالا کا منظر بار بار دھندلا رہا تھا۔ پلکیں جھپکنے سے وہ صاف ہوتا اور پھر ہر طرف بارش کا سماں ہوتا۔

”میرا دل نہیں مانتا، ماہر۔ میرا دل کہتا ہے کہ جس دن وہ مرے گا، مجھے یہاں...“ اس نے بند مٹھی سینے پر رکھی۔ ”یہاں معلوم ہو جائے گا۔“

وہ رکی۔ نفی میں سر ہلایا۔

”لیکن شاید میں صرف ایک الوژن کے پیچھے...“

”جب ہلال کھوئی تھی تو مجھے سب نے کہا تھا کہ وہ واپس نہیں ملے گی۔ کھوئے ہوئے بچے واپس نہیں آتے۔ لیکن میں نے کسی کی نہیں سنی۔ مالک سمجھتا تھا کہ میں سرکار سے انتقام کے لیے یہ سب کر رہا ہوں۔ اس نے مجھے کئی دفعہ وارن کیا کہ انتقام کے سفر پر نکلنے والے کو دو قبریں کھودنی چاہئیں۔ لیکن میں کسی انتقام کے لئے نہیں نکلا تھا، مالا۔ میں یہ یقین کرنے کے لئے تیار نہیں تھا کہ ہلال مرچکی ہے۔ کیونکہ مجھے یہاں...“ اس نے سینے پر انگلی سے دستک دی۔ ”یہاں معلوم تھا کہ وہ زندہ ہے۔ جب تک تمہاری امید یہاں باقی رہے گی کوئی اس کو تم سے چھین نہیں سکتا۔“

وہ کتنی ہی دیر کچھ نہ کہہ سکی۔ لمحے خاموشی سے گزرتے گئے۔ وہ اپنے اندھیروں میں بیٹھی رہی اور ماہر اپنی روشنی میں۔

”تمہیں لگتا ہے وہ زندہ ہو گا؟“ بہت دیر بعد مالانے پوچھا تو اس کی آنکھوں میں امید اور خوف ایک ساتھ کسی طوفان کی زد میں آئے دیئے کی طرح ٹٹمارہے تھے۔ پوچھنے کے بعد اس نے جیسے سانس روک لیا۔ جیسے ماہر کی زبان سے نکلنے والا اگلا لفظ اس کی امید توڑ کے اس کے خوف کو سچ ثابت کر دے گا۔

”مجھے یہ یقین ہے کہ تمہارا دل تم سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ جب تک تمہارا دل کہے گا کہ وہ زندہ ہے، ہم اس کی تلاش جاری رکھیں گے۔“

آنسو زار و قطار آنکھوں سے گرنے لگے۔ اس نے اثبات میں سر ہلادیا اور گردن جھکا دی۔

وہ چند لمحوں کے آنسوؤں کو تھوڑی سے نیچے گرتے اور کوٹ میں جذب ہوتے دیکھتا رہا۔ پھر نگاہ مالانے کی بند مٹھی پہ ٹھہر گئی۔ آنکھوں میں چونکنے کا سا تاثر آیا۔

”یہ کیا ہے؟“

مالانے بند مٹھی اس کے سامنے کی۔

”جس روز میری فیملی نے، یعنی ماہی نے، عباد نے، سب نے بدر کے معاملے میں ہار مان لی تھی اور مجھے کہا تھا کہ میں تسلیم کر لوں کہ بچے مر جاتے ہیں، اس روز یہ مجھے ملا تھا۔“

اس نے مٹھی کھولی۔ نیم اندھیر سیڑھیوں میں بیٹھے دونوں افراد کے درمیان اس کی پھیلی ہوئی مٹھی تھی اور اس پہ چمکتا پتھر، جس پر کھدے الفاظ چاند کی روشنی میں دمک رہے تھے۔

”میں ہمیشہ تمہاری مدد کے لیے موجود ہوں گا۔ ماہر۔“

ماہر فرید سانس نہیں لے سکا۔ وہ بس اس پتھر کو دیکھے گیا۔ اس نے ہاتھ پتھر کی طرف نہیں بڑھایا لیکن آنکھیں بھی نہیں اٹھائیں۔

”تمہیں یہ مل گیا تھا؟“ اس کی آواز میں ملال سا تھا۔ آنچ سی۔ اسی آواز میں وہ ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ کاش وہ مختلف حالات میں ملے ہوتے۔

”یہ پتھر میرا کمفرٹ سٹون بن گیا تھا، ماہر۔ اس نے مجھے ہمت دی استنبول آنے کی۔ اپنی انا پہ پیر رکھ کے تمہارے آفس تک مجھے یہ لایا تھا۔ اس نے مجھے حوصلہ دیا۔ مجھے یاد دلایا کہ کوئی تھا جس نے اپنے کھوئے ہوئے بچے کی زندگی پہ ہار نہیں مانی تھی۔ اور آخر میں اس کو وہ بچہ مل گیا تھا۔“ اس نے مٹھی بند کر دی تو ماہر نے نگاہیں اٹھائیں۔ کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے لیکن سارے الفاظ ختم ہو گئے تھے۔

مالانے ناک سے گیلی سانس اندر کھینچی۔

”یہ تب سے میرے پاس ہے۔ میرے پرس میں۔ میری مٹھی میں۔ مجھے اس سے کمفرٹ ملتی ہے۔ اگر تم میرے ساتھ یہ ڈیل نہ کرتے اور مجھے اپنے آفس سے ناامید کر کے بھیج دیتے، تب بھی یہ میرے ساتھ رہتا۔“

وہ اداسی سے مسکرایا۔ ”میں کبھی کبھی یہ بناتا ہوں۔“

”میں جانتی ہوں۔“

”میں تمہارے لئے ایک اور بنا سکتا ہوں۔“

”میرے لئے ایک ہی کافی ہے۔“ وہ بھیگی آنکھوں سے مسکرائی تو وہ بھی مسکرا دیا۔

”جانتا ہوں کشمالہ خانم کو مجھ سے فیورز لینا پسند نہیں ہے۔“

چند لمحے خاموشی سے گزر گئے۔ پھر مالا کی مسکراہٹ مدھم ہوئی۔ طوفان میں ٹمٹماتا دیا واپس آنکھوں میں دکھائی دیا۔

”تمہیں واقعی یقین ہے کہ ہم بدر کو ڈھونڈ لیں گے؟“

”مجھے یقین ہے کہ تمہارا دل تم سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔“

وہ پورے دل سے مسکرا دی۔ بہت سارے بوجھ جیسے ہٹ گئے تھے۔ اس نے پتھر کوٹ کی جیب میں ڈالا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ کسی میکاکی عمل کے تحت وہ بھی جیسے ساتھ ہی اٹھا۔ مالا ایک زینہ اتری۔ مگر وہ اب بھی اس سے دوزینے اوپر تھی۔ قد کے فرق کے باعث وہ دونوں برابر کھڑے تھے۔

”پرپل کیوں؟“

ان کے اوپر تار میں پروئے لالٹین ایک دم جل اٹھے۔ دونوں نے گردن اٹھا کے دیکھا۔ ہر رنگ کی روشنی ان سے پھوٹ رہی تھی۔ گلی سے گزرتے راگیروں نے بھی رک کے دیکھا۔ پھر آگے بڑھ گئے۔

”تمہیں یاد ہے ہماری کہانی کہاں سے شروع ہوئی تھی؟“

مالا نے لالٹینوں سے نگاہ ہٹا کے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔

”تمہاری ماں اور شمس کی کہانی سے؟“

ماہر نے نفی میں گردن ہلائی۔

”ہوٹل کے اس سویٹ سے جہاں میں نے کیف جمال کو بلایا تھا۔“

”اوہ ہاں۔“

”اس روز نگینہ بیگم کی وہ البم دیکھتے ہوئے میں نے سوچا تھا کہ میں اس سبز آنکھوں والی لڑکی کو بچالوں گا اور اس کے ساتھ وہ نہیں ہونے دوں گا جو البم میں موجود دوسری لڑکیوں کے ساتھ ہوا ہے۔ میں تب تمہیں نہیں جانتا تھا، نہ تم سے ملا تھا۔ لیکن وہ دن... وہ ملاقات جس میں میں، مالک، کیف اور بیربل اکٹھے تھے، وہ ملاقات میرے لئے ہر چیز کی ابتدا تھی۔ جب ماہر فرید کیف جمال بنا، اور جب کشمالہ مبین میری زندگی میں آئی۔“

سیڑھیوں پر کھڑا آدمی کہہ رہا تھا۔ اب وہ دونوں روشنی میں تھے۔ سات رنگوں کی مدھم روشنی میں۔

”اس روز جو کینڈل میں نے ہوٹل سویٹ میں جلارکھی تھی، اس میں ٹاپ نوٹ لیونڈر (استخروس نامی جھاڑی جو جامنی رنگ کی ہوتی ہے۔) کا تھا۔ اس کے بعد جب بھی مجھے لیونڈر کی خوشبو آتی.. وہ ملاقات، وہ البم سب کچھ یاد آجاتا۔ اسی سویٹ میں چند روز پہلے مالک نے مجھے بتایا تھا کشمالہ مبین کون ہے۔ اسی سویٹ میں، میں نے کیف جمال بننے کا فیصلہ کیا تھا۔ تمہاری دی ہوئی تکلیف جب بھی یاد آتی، اپنا کیف جمال بننے کا فیصلہ یاد آتا۔ سب کچھ وہیں سے شروع ہوا تھا۔ لیونڈر کی خوشبو کے ساتھ۔“

”جامنی موم بتی۔“ وہ بے ساختہ مسکرا دی۔

”جامنی موم بتی۔“ ماہر نے اثبات میں سر ہلایا۔

”اگر تم وہ البم لے کر میرے پاس آجاتے اور کہتے کہ تمہیں میری مدد چاہیے، تو شاید آج ہماری کہانی مختلف ہوتی۔“

ماہر نے جواب نہیں دیا۔ اب اپنی چوائسز پہ رنج کرنے کا زمانہ بیت چکا تھا۔

وہ دونوں ساتھ ساتھ زینے اترنے لگے۔ دفعتاً وہ رکی۔ چہرہ اس کی طرف موڑا تو ماہر نے دیکھا اس کی متورم آنکھوں میں ایک چمک ابھری تھی۔

”تم نے ٹھیک کہا، ہم بدر کو ڈھونڈ لیں گے۔ کیونکہ مجھے عالیاں کے بارے میں ایک اور بات معلوم ہوئی ہے۔“

”کیا؟“

”وہ جتنا بڑا جادوگر ہو جائے، وہ ہر چیز جادو کے بل بوتے پر نہیں کرتا۔“

”یعنی؟“

”اس نے مجھے کہا کہ میں اور تم ایک اپارٹمنٹ میں رہتے ہیں۔“

”مگر تم تو ساتھ والے اپارٹمنٹ میں...“

”میں نے بھی یہی سوچا تھا۔ پھر مجھے خیال آیا کہ اس کو ہمارے ہرپل کی خبر اس کے جنات نہیں دیتے بلکہ انسان دیتے ہیں۔ اس نے انسان ہمارے پیچھے لگا رکھے ہیں۔ اور ان انسانوں نے مجھے اس اپارٹمنٹ بلڈنگ میں داخل ہوتے دیکھا ہو گا۔ لیکن چونکہ وہ اندر نہیں آسکتے تو وہ نہیں جانتے کہ میرے اپارٹمنٹ کا دروازہ کون سا ہے۔ یعنی ہمیں عالیان کو ناقابل تسخیر جادوگر نہیں سمجھنا چاہیے۔ وہ ایک عام انسان ہے جس کے جنات ضروری نہیں ہے کہ اسے ہر بات درست بتاتے ہوں۔“

وہ دونوں ساتھ ساتھ گلی میں آگے بڑھ رہے تھے۔

”مانا کہ تمہیں برا خواب آیا، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم کام سے بننا بتائے چھٹی کر لو۔“

”آرٹسٹ خاموشی سے بیٹھا ہو، تب بھی وہ کام کر رہا ہوتا ہے۔“

”میرا کام نہ سہی، تم بیکری پہ کچھ تو کر سکتی ہو۔“

”صبح بیکری پہ ہی جاؤں گی۔ اور میں نے سوچ لیا ہے کہ مجھے کیا کرنا ہے۔“

”بیکری کا نام بدل دو گی؟“

”کچھ اور بدلوں گی۔ وہ جو سب سے اہم ہوتا ہے۔“

ان کی آوازیں مدھم ہوتی جا رہی تھیں اور وہ دوسایوں کی طرح دور جا رہے تھے۔

سیڑھیوں کے سامنے والی گلی میں چند رنگین عمارتیں ساتھ ساتھ کھڑی تھیں۔

ان میں سے ایک عمارت پستے کے جیسی سبز رنگ کی تھی۔

اس کی بالائی ترین منزل کی کھڑکی سے کوئی انہیں دور جاتے دیکھ رہا تھا۔



اس صبح آسمان پہ بادل ٹکڑوں کی صورت بکھرے تھے، ایسے کہ ان کے کنارے سورج کی روشنی سے دھک رہے تھے۔ دھوپ چھایا کا سامو سم تھا۔

ماہر فرید کی سیاہ کار نشانتی کی پر رونق سڑک سے گزر رہی تھی۔ وہ پچھلی سیٹ پر براجمان کھڑکی کے باہر گزرتی دوکانوں کے فرنٹ بے توجہی سے دیکھ رہا تھا جب ایک دم ابروا کٹھے ہوئے۔

”اردل، ریورس کرو۔“

”کافی چاہیے، سر؟“ اردل کو یہی سمجھ میں آیا کہ شاید وہ بیربل کی بیکری پہ رکننا چاہتا ہے۔

”اونہوں!“

کار کے بیکری کے سامنے رکتے ہی ماہر نے دروازہ کھولا اور باہر نکلا تو سرد ہوا نے استقبال کیا جو کار کے ہیٹر کی گرمائش کے باعث ذہن سے محو ہو گئی تھی۔ آج اس نے سوٹ کے اوپر لمبا بھورا کوٹ پہن رکھا تھا۔ وہ آفس کے لیے تیار تھا اور اس اسٹاپ سے اس کو دیر ہو جانی تھی لیکن رکننا بھی ضروری تھا۔

بیکری کے فرنٹ پر لگا گلابی پھولوں کا چھجائیچے اتر اڑا تھا۔ ایک ورکر سیڑھی رکھے کھڑا باقی ماندہ پھول اتار رہا تھا۔ شیشے کی دیوار سے وہ اندر جاری کاروائی دیکھ سکتا تھا۔ آنکھوں میں اچھنبالیے اس نے دروازہ دھکیلا۔

ایک جمپ سوٹ میں ملبوس پیئٹر دیوار سے وال پیپر اتار رہا تھا۔ دوسری جانب ایک سویٹ پینٹس میں ملبوس لڑکی فرش پر بیٹھی بہت سے نقلی پھول سامنے سجائے چن چن کے vase میں ڈال رہی تھی۔ دروازہ کھلتے دیکھ کے سر اٹھایا۔ وہ اسے پہچانتا تھا۔ مالا کی annoying فوٹو گرافر دوست۔ سر کے خم سے اسے سلام کیا اور نگاہیں ان پھولوں پہ پھسل گئیں جو سنبل کے ہاتھ میں تھے۔ لیونڈر کے جامنی پھول۔

”مالا۔“ سنبل نے اس پر سے نگاہیں ہٹائے بغیر پکارا۔ اور ماہر کی متلاشی نگاہوں کو بالآخر وہ دکھائی دے

گئی۔

سیڑھیوں کے ساتھ دیوار پہ سینڈ پیپر لگاتی مالا کی اس جانب پشت تھی۔ پکار پہ وہ چونکی اور ان کی طرف پلٹی۔ اسے دیکھ کے مسکرا دی۔ بال اونچی پونی میں باندھے، ایپرن پہنے، آستین اوپر چڑھائے ہوئے مالا پرسوں رات کی نسبت فریش دکھائی دیتی تھی۔ اس کے گال پر پینٹ کے چند دھبے لگے تھے جن سے یقیناً وہ بے خبر تھی۔ اسے کچھ یاد آیا تھا۔

”قرمزی عمارت پہ کام کرنے کے لیے تمہارے پاس وقت نہیں، لیکن اس بیکری کی رینویشن کے لئے وقت بھی ہے اور پیسہ بھی۔“ انداز سے معلوم نہیں ہوتا تھا کہ وہ متاثر ہوا ہے یا طنز کر رہا ہے۔

”آرٹسٹ اگر خاموشی سے بیٹھا ہو، تب بھی....“

”پلیزی بے کار ڈائلاگ دوبارہ مت دہرانا۔“ وہ جیسے خفا ہوا۔ پھر ناقدانہ نگاہوں سے دائیں بائیں گردن گھمائی۔

”بیکری کا انٹیریئر اچھا بھلا تھا۔ اس کو بدلنے کی کیا ضرورت تھی؟“ تبصرہ کرتے کرتے وہ ٹھہر گیا۔ ایک دیوار پہ پینٹر نے پینٹ شروع کر رکھا تھا۔ گہرا جامنی پینٹ۔ ماہر کی نگاہیں خود کو مسلسل مسکرا کے گھورتی فوٹو گرافر تک گئیں۔ لیونڈ کے پھول۔ واز کا رنگ ہلکا بھورا تھا۔ ایک دوسری دیوار پہ اسی ہلکے بھورے رنگ کا وال پیپر چڑھایا جا رہا تھا۔

”پرپل اور براؤن؟“

”بیربل کی بیکری میں سارا مسئلہ یہ تھا کہ یہ گلابی رنگ کی تھی۔ اور یہ شہر گلابی پھولدار بیکریوں سے بھرا پڑا ہے۔ میں اس کو کوئی مختلف رنگ دینا چاہتی تھی اور یہ دونوں رنگ کلائر wheel پہ ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ ان کا کنٹراسٹ اچھا بنتا ہے لیکن پرپل کو deep ہونا چاہیے اور براؤن کو ہلکا۔“ مالا نے اسے دیکھے بغیر بے پروائی سے کندھے اچکا کے بتایا۔ جیسے ان رنگوں کا کوئی دوسرا معنی نہ ہو۔ جیسے کیا فرق پڑتا ہے کہ کس کی تکلیف گہری اور کس کی ہلکی ہے۔

”پرپل اور براؤن۔“

ماہر پہلی دفعہ مسکرایا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی ماہر کا فون تھر تھرانے لگا۔ اس نے موبائل نکال کے دیکھا، انگشت شہادت اٹھا کے ایک منٹ کا اشارہ کیا اور فون کان سے لگایا۔

”ہاں، زارا؟“

کشمالہ کی مسکراہٹ مدھم ہوئی۔ اس نے بال کان کے پیچھے اڑ سے اور دائیں بائیں کچھ تلاش کرنے لگی۔

”ٹھیک ہے، میں وہیں آجاتا ہوں۔ نہیں کوئی پر اہلم نہیں ہوگی۔ آفس بعد میں چلا جاؤں گا۔“

ماہر نے فون جیب میں رکھا اور معذرت خواہانہ انداز میں اسے دیکھا۔

”ہم اس انٹیریر کے بارے میں بعد میں بات کریں گے۔ ابھی مجھے مالک کے پاس ہسپتال جانا ہے۔ زارا

اکیلی ہے۔“

”آف کورس۔ چھی بات ہے کہ تم دونوں ابھی تک آپس میں civil ہو۔“ مالا بظاہر سرسری انداز میں

کہتی برش اٹھا کے پینٹ کے ڈبے پہ جھک گئی۔ برش کے بالوں کو گیلے رنگ میں ڈبویا۔

”آف کورس۔ زارا فیملی ہے۔“

مالا نے نگاہ اٹھا کے دیکھا۔ وہ سر جھکائے تیز تیز موبائل پر کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔ یقیناً شبنم کو بتا رہا تھا کہ وہ دیر

سے آئے گا کیونکہ زارا کو اس کی ضرورت تھی۔

”تم جاؤ، تمہیں دیر ہو رہی ہے۔“

ماہر خدا فظ کہتا موبائل پہ سر جھکائے پلٹ گیا۔

وہ وہیں کھڑی اسے دیکھتی رہی۔ ایک سایہ ساتھ جو جامنی رنگ سے گہرا تھا اور اس کے دل پہ بیٹھ سا

گیا تھا۔

پھر سنبل کے کھنکھارنے کی آواز پہ وہ چونکی۔

"زارا کون ہے؟" وہ فرش پر ہنوز بیٹھی تھی۔ پھول آدھے ہاتھ میں تھے۔ جیسے ماہر کو آتے دیکھ کے اس نے خود کو وہیں pause کر دیا تھا۔

"اس کی ایکس فی انسی۔ اور کزن۔" برش کو ڈبے کے کنارے سے رگڑنے لگی تاکہ زائد پینٹ بہہ جائے۔ خواہ مخواہ نیا برش اس پینٹ میں ڈال دیا جب کہ ابھی اسے رنگ شروع ہی نہیں کرنا تھا۔ ابھی تو اس کی surface prep بھی مکمل نہیں ہوئی تھی۔

"تب ہی آپ کے چہرے پہ جیسی دکھائی دے رہی ہے۔"

"اوہ پلیز... اس نے بے زاری سے چہرہ اٹھایا۔" اور اب یہ مت کہنا کہ وہ مجھے پسند کرتا ہے۔"

"میں یہ کہنے والی تھی کہ اب آپ بھی اس کو پسند کرنے لگی ہیں۔"

"اف، سنبل۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔"

"کیا نہیں ہے؟" سنبل نے vase سامنے رکھا اور ہاتھ جھاڑتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ پھر دونوں ہاتھ کمر پر رکھے جو اب وہ انداز میں اس کے سامنے آکھڑی ہوئی۔ اس گفتگو سے بچنے کا کوئی راستہ نہ تھا۔

"ہمارے درمیان کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ مجھ سے بہت مختلف ہے۔ اس کی اپنی ایک زندگی ہے۔ یہ سب کچھ بہت پیچیدہ ہے۔ اور... اور میرا ایک بچہ ہے جس کو لے کر میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔ چھوڑو سنبل، ان باتوں میں مت پڑو۔" سر جھٹک کے نگاہیں چرائے وہ دیوار کی طرف پلٹ گئی۔ سنبل اسی طرح پیچھے کھڑی رہی۔ مالا اپنی پشت پہ اس کی نظریں محسوس کر سکتی تھی۔

"زندگی اتنی پیچیدہ نہیں ہوتی جتنی ہم اسے بنا لیتے ہیں۔ یا شاید آپ کو تنہا رہنے کی اتنی عادت ہو گئی ہے کہ کسی دوسرے شخص کے بارے میں سوچنا ہی ان کفر ٹیل لگتا ہے۔"

مالا نے مڑے بغیر ہاتھ کو گول گول گھمایا۔ (بولتی رہو)۔ اور تب اسے احساس ہوا کہ یہ حرکت ماہر کیا کرتا تھا۔

کیا وہ اس کی عادتیں اپناتی جا رہی تھی؟ جلدی سے ہاتھ نیچے گرا دیا۔

”مگر یاد رکھیں، نئی چیز ہمیشہ شروع میں uncomfortable (غیر آرام دہ) لگتی ہے کیونکہ گروتھ ان کفر ٹیبل ہوتی ہے۔ لیکن زندگی کو آگے بڑھانے کے لئے تھوڑی تھوڑی سی discomfort قبول کر لینی چاہیے۔“

جتانے والے انداز میں کہہ کے وہ پلٹ گئی۔ مالا نے گہری سانس لی۔ وہ کیا چیز تھی جو اسے غیر آرام دہ کر رہی تھی؟ زار کی کال؟ یا ماہر کا اس سے یوں بات کرنا جیسے وہ کسی شے پہ نادم ہو، جیسے وہ زار کو مزید کسی قسم کا دکھ نہ پہنچا سکتا ہو۔ زار اس کی فیملی تھی۔ وہ ہمیشہ اس کی زندگی میں رہے گی۔ وہ کبھی وہاں سے نہیں نکلے گی۔ اف! وہ بھی کیا سوچنے لگی تھی۔

سر جھٹکا اور پلاسٹک بیگ میں برش کو سیل کرنے لگی۔ اچھا بھلا برش جلد بازی میں ضائع کر دیا۔ ہونہ۔



ہسپتال کے zen سے سن روم میں آج پھر مریضوں کے اٹینڈنٹ جگہ جگہ کاؤچز پر بیٹھے تھے۔ بیربل آج نہیں آیا تھا۔ ماہر شیشے کی دیوار کے سامنے رکھی دو کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھا تھا۔ نگاہیں سامنے دکھائی دیتے دوسرے نمبر کے بیڈ پہ تھیں جس پر مالک فرید آنکھیں موندے لیٹے تھے۔ سر پہ گرم ٹوپی تھی اور چہرے سے وہ تکلیف میں دکھائی دیتے تھے۔ جسم سے نالیاں اسی طرح لگی تھیں اور قطرہ قطرہ دوارگوں میں سرایت کر رہی تھی۔ ہر طرف ایک پر امید اور پر خوف سی خاموشی تھی۔

ساتھ والی کرسی پر زار بیٹھی تھی۔ اس روز کے برعکس آج اس نے نفیس ساسفید مڈی ڈریس پہن رکھا تھا۔ کرسی کی پشت پر سفید سیاہ دھاریوں والا کوٹ لٹکا تھا۔ بلوڈرائی بال سیٹ تھے اور ہلکا میک اپ چہرے پر موجود

تھا۔ آج اس کی آنکھیں بھی خشک تھیں اور وہ بظاہر سنبھلی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔ خاموشی سے مالک فرید کو کئی منٹ دیکھنے کے بعد اس نے ماہر کی طرف چہرہ موڑا۔

”کیوں نا آج ہم سب رات ڈنر ساتھ میں کریں؟“

ماہر نے چونک کر اسے دیکھا۔

”کیا؟“ وہ جیسے کسی خیال میں گم تھا۔

”میں کہہ رہی ہوں کہ آج رات تم اور بیربل بھی بابا کی طرف آجاؤ۔ میں پاستا بناؤں گی اور ہم ایک فیملی کی طرح ساتھ ڈنر کریں گے۔“ وہ پر جوش انداز میں پلان بنا رہی تھی۔ مالک فرید کو ہر ایک دن چھوڑ کے دوا لگتی تھی اور چند گھنٹوں بعد ہی گھر بھیج دیا جاتا تھا۔ زارا آج کل ان کے ساتھ انہی کے گھر میں رہائش پذیر تھی۔

”وہ سوزین کو چھوڑ کے نہیں آئے گا۔ اور اگر وہ آئی تو یہ فیملی ڈنر نہیں ہوگا۔“

”میں اسے کہہ دوں گی۔ فکر مت کرو۔ ہم چار فریدز ایک ساتھ، ایک چھت تلے۔“ وہ مسکرائی۔ مسکرانے سے اس کے چہرے پر کہیں کوئی لکیر نہیں پڑتی تھی۔

”اوکے۔“ ماہر نے اثبات میں سر ہلایا اور نرمی سے مسکرا کے واپس سامنے دیکھنے لگا۔

”تھینک یو تمہارے آنے کے لیے۔ میں اکیلے صبح گھبرا گئی تھی۔ اب چلتی ہوں۔ پہلے کیف جاؤں گی۔ مجھے اپنے پرانے آفس سے اپنی کچھ چیزیں لینی ہیں۔“

ماہر نے سوال نہیں پوچھا۔ وہ خود سے بتانے لگی۔

”میں اپنی مارکیٹنگ فرم کھولنے جا رہی ہوں۔ میں مزید کیف میں کام نہیں کروں گی۔ ویسے بھی میں کافی عرصے سے بریک پہ تھی۔ اب میں کچھ اپنا کرنا چاہتی ہوں۔“ وہ رک کی اور پھر مسکرائی۔

”مجھے خوشی ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ...“ وہ رک کے جیسے لفظ تلاش کرنے لگی۔

”civil۔ ہم ایک دوسرے کے ساتھ civil ہیں۔“ اس نے شیشے کی دیوار کو دیکھتے ہوئے مدد کی۔ زارا کھل کے مسکرا دی۔ سر ہلایا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ کوٹ پہنتے ہوئے اس نے ایک نظر ماہر کو دیکھا جو ابھی تک بیٹھا مالک فرید کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی ہیلز کی آواز دور جا کے معدوم ہو گئی، تب بھی وہ اسی طرح بیٹھا رہا۔

شیشے کی دیوار میں ماہر کو دکھائی دے رہا تھا۔ عمار پیچھے ایک کرسی پر بیٹھا انہی نگاہوں سے مالک فرید کو دیکھ رہا تھا۔ ماہر کے عکس پہ اس کی نگاہ پڑی تو ماہر نے اشارہ کیا۔ وہ فوراً اٹھ کے سامنے آیا۔ اور زارا کی کرسی پر بیٹھا۔

”جی، سر؟“

”میرا کٹنج یاد ہے؟“

”جی۔ کل مجھے برو کرنے بتایا تھا کہ بیر بل نے اسے فروخت کرنے کے لیے کہا ہے۔“ عمار خاموش ہو گیا جیسے کسی بات نے بے چین کیا ہو۔

”جانتا ہوں۔ اور؟“

”وہ مارکیٹ پر اس سے کم قیمت مانگ رہا ہے۔ وہ اتنی قیمتی جگہ ہے، سر۔“

”کیونکہ وہ haunted ہے۔“

عمار نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔

”نہیں تو... ایسی کوئی بات....“ پھر وہ ٹھہر گیا۔ ماہر کو غور سے دیکھا۔

”اچھا... وہ haunted ہے۔“ آنکھوں میں چمک ابھری پھر ہونٹوں پہ مسکراہٹ۔

”سمجھ گیا۔“ سر کو خم دیا اور وہاں سے اٹھ گیا۔ ماہر نے غور سے اسے اٹھتے دیکھا۔ کل ریل اسٹیٹ

مارکیٹ میں اس کا ٹنچ کے بارے میں افواہیں کس انداز میں پھیلتی ہیں، اور بیر بل کو افواہ شروع کرنے والے کی خبر

ہوتی ہے یا نہیں، اس کا نتیجہ ایک دودن میں سامنے آجائے گا۔ اور اس نتیجے سے وہ جان پائے گا کہ وہ عمار پہ کتنا بھروسہ کر سکتا ہے۔

کیونکہ ایک سوال ایسا تھا جس کا جواب اسے صرف عمار دے سکتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس دوپہر کیف کی عمارت میں بے چینی اور ہلچل سی پھیلی تھی۔ دو گھنٹے قبل اچانک سے بارش شروع ہوئی تھی اور ایسے تو اتر سے برستی گئی کہ پانی بیسمنٹ میں داخل ہو گیا تھا۔ ایک اہم کلائنٹ اس وقت کانفرنس روم میں لیڈ آرکیٹیکٹس کے ساتھ موجود تھا اور کیف کے آدھے عملے کی یہ کوشش تھی کہ کسی بھی طرح اس کلائنٹ کو بیسمنٹ میں آئے پانی کے بارے میں علم نہ ہو سکے۔ اور باقی آدھا عملہ پانی کو خاموشی سے نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔

یہ نہیں تھا کہ بارش تیز تھی۔ وہ ہلکی تھی لیکن ڈھٹائی سے مسلسل بر سے جارہی تھی۔ مالانے بیکری سے بس کی بجائے ٹیکسی پکڑی تھی۔ اسے کچھ پیپر ز کا پی کروانے تھے اور اس بارش میں وہ کسی کاپیر کے پاس جانے کی خواری سے بچنے کے لیے کیف میں چلی آئی تھی۔ مگر جب بیسمنٹ میں کاپی مشین کے لیے آئی تو دیکھا، نیلے مخملیں پردوں کے نچلے کنارے پانی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ کوئی واپس لگا رہا ہے تو کوئی موپ۔

وہ افسوس سے سردائیں بائیں ہلاتی واپس زینے چڑھنے لگی۔ پہلا خیال یہی آیا کہ ماہر جیسے آرکیٹیکٹ کی عمارت میں پانی کا گھس آنا عمارت کے نقشے اور ڈیزائن میں نقص کی نشاندہی کرتا تھا۔ پھر یاد آیا کہ یہ تو کرایے کی عمارت تھی، اس کو ماہر نے تھوڑی ڈیزائن کیا تھا۔ دل نے فوراً ہی اس کا دفاع کیا تھا۔

دوسرا کاپیر زار کے آفس کے سامنے رکھا تھا۔ اس پہ عموماً رش ہوتا تھا مگر مالا کو ان ڈاکو منٹس کی نقلیں بنانے کی اشد ضرورت تھی۔ ان کی مدد سے اس نے بیکری میں ایک اسٹینسل پینٹ کرنا تھا۔

وہ اس کا پیڑ کی قطار میں کھڑی ہو گئی اور تازہ انک کی مہک کو اندر اتارتے ہوئے گردن موڑی تو زارا کے شیشے کے پنجرے نما آفس میں کوئی دکھائی دیا۔ وہ ٹھٹکی۔

زارا چند چیزیں درازوں سے نکال کے ایک باکس میں ڈال رہی تھی۔ اس کی مالا کی جانب پشت تھی۔ بل دار لمبے بال کمر پہ بکھرے تھے اور دراز کھنگالتے ہاتھوں میں سنہرے بریسلٹ اور انگوٹھیاں دمک رہی تھیں۔ وہ اب آفس نہیں آتی تھی۔ عرصے بعد دکھائی دی تھی۔

مالا نے کاغذوں کا پلندہ وہیں رکھا اور اس کے آفس تک آئی۔ شیشے کے دروازے میں اپنا عکس دکھائی دیا۔ کندھوں تک آتے بالوں کے سروں کو چھوا۔ بال کٹوانے کے فیصلے پہ دل میں کہیں افسوس ہوا۔ ایک تو لڑکیوں کا یہ بہت مسئلہ تھا کہ جیسے ہی کرائس آ یا، بال کٹوا دیے۔ اونہوں۔ سر جھٹک کے انگلی سے دستک دی اور دروازہ کھول لیا۔ جب تک زارا پلٹی وہ اندر آ کے دروازہ بند کر چکی تھی۔

”مالا؟ ہیلو۔“ اس پہ ایک اچھٹی نگاہ ڈال کے زارا واپس اپنے باکس پہ جھک گئی۔

”مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔“

”سن رہی ہوں۔“ زارا نے میز پر رکھا فریم اٹھایا، اونچا کر کے دیکھا، پھر اسے پلٹایا۔

”آپ جانتی ہیں کہ میں جانتی ہوں۔ اس لئے کھل کے بات کرتے ہیں۔“

”کس بارے میں؟“ فریم کو کھولتے زارا کے ہاتھ رکے۔ نا سمجھی سے اسے دیکھا۔ مالا نے گہری سانس لی، سینے پر بازو لپیٹے اور جب بولی تو آواز میں آنچ سی تھی۔

”عالیان کے بارے میں۔ میں نے اس کی ویڈیو کال پہ آپ کو دیکھا تھا۔ اور آپ نے مجھے۔“

زارا نے فریم کی آنکھوں میں شدید الجھن کا سا تاثر ابھرا۔

”کون عالیان؟ کیسی ویڈیو کال؟“

”زارا، پلیز...“ اس کے ضبط کا پیمانہ بس لبریز ہونے کو تھا۔ ”ایک لمحے کے لیے خود کو میری جگہ پر رکھ کے سوچیں۔ میرا بیٹا لاپتہ ہے۔ وہ ایک چھوٹا سا بچہ ہے جس کو نہ جانے اس شخص نے کس حال میں رکھا ہے۔ اور صرف آپ ہیں جو عالیاں کو ڈھونڈ سکتی ہیں۔“

زارا نے فریم باکس میں رکھا، اس کی طرف پلٹی، میز سے ٹیک لگا کے دونوں ہاتھ دائیں بائیں جمالیے اور جیسے فرصت سے مالا کو دیکھا۔

”مجھے تم سے ہمدردی ہے۔ لیکن شاید تمہیں بھی اپنے بیٹے کا دھیان رکھنا چاہیے تھا۔ اگر مائیں attentive ہوں تو ان کے بچے نہیں کھوتے۔“

اس کے سینے میں ایک ابال سا اٹھا جسے بہت ضبط سے اس نے نیچے دھکیل دیا۔

”کیا آپ عالیاں کے بارے میں کوئی ایسی بات بتا سکتی ہیں جو پولیس کو اسے ڈھونڈنے میں مدد دے؟“

”میں بالکل بتا سکتی ہوں اگر تم پہلے یہ بتاؤ کہ عالیاں کون ہے۔“

”زارا، پلیز...“ اس کی آواز بلند ہونے لگی۔ ”میں آپ سے ریکویسٹ کرتی ہوں۔ اگر چاہتی ہیں منت کروں تو وہ بھی کر لوں گی۔ وہ میرے بیٹے کا اغوا کار ہے اور آپ اس کو جانتی ہیں۔ مجھے آپ کی مدد چاہیے۔“

زارا آنکھوں میں اچھنبالیے اسے دیکھے گئی، جیسے کسی نا سمجھ بچے کی بات پہ انسان اسے غور سے دیکھتا ہے۔

”وہ ایک خطرناک آدمی ہے، زارا۔ وہ آپ کو بھی نقصان دے سکتا ہے۔ اور ہمیں نہیں معلوم وہ کب تک میرے بیٹے کو زندہ رکھے گا۔ ہمیں جلد از جلد اس کو ڈھونڈنا ہے۔ اگر آپ میری مدد کریں گی تو یہ آپ کا میرے اوپر احسان ہو گا۔“

زارا نے اب بازو سینے پر لپیٹ لیے۔ میز سے ٹیک لگائے، پاؤں ایک دوسرے کے اوپر رکھ لیے۔

مالا نے آواز دھیمی کی۔

”کبھی ناکبھی آپ بھی ماں بنیں گی۔ اس وقت آپ میرے احساسات کو بہتر طور پہ سمجھ سکیں گی۔ اس وقت میں آپ سے صرف انسانی ہمدردی کی امید رکھتی ہوں۔ کیا آپ میرا بیٹا ڈھونڈنے میں میری مدد کر سکتی ہیں؟“

”مگر میں کسی عالیاں کو نہیں جانتی۔ کیا یہ وہ شخص ہے جس نے تمہارے بیٹے کو اغوا کیا ہے؟“

مالا نے گہری سانس لی، افسوس سے سر جھٹکا۔ ایک لمحے کے لیے تو اس کو بھی شک ہوا تھا کہ کہیں عالیاں جھوٹ نہ بول رہا ہو۔ ویڈیو کال پہ اس روز زار نہ ہو، کوئی جعلی ویڈیو ہو۔ مگر نہیں۔

”آپ اچھی طرح جانتی ہیں میں اس روز مالک صاحب کے پاس کیوں آئی تھی اور...“

”تمہیں میرے باپ سے ملنا کیوں پسند ہے؟“

مالا چند لمحے کے لئے کچھ بول نہ سکی۔

”شاید یہ تمہارا ڈراما ہے، مالا۔ تمہارے فادر کی بچپن میں ڈیٹھ ہو گئی تھی۔ میں نے سنا ہے ایسی لڑکیاں ہمیشہ کسی بااثر انسان میں اپنا فادر فکر تلاش کرتی ہیں۔ شاید میرے باپ میں بھی تم وہی ڈھونڈ رہی ہو۔ لیکن میں تمہیں بتاتی چلوں کہ انہیں صرف تم سے ہمدردی ہو سکتی ہے، لیکن وہ تمہیں اس سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتے۔ ان کو اپنا باپ سمجھنے کی غلطی کرو گی تو تمہارا دل ہی ٹوٹے گا۔“

وہ چیخ کر تکی افسوس سے سردائیں بائیں ہلا رہی تھی۔

آنسوؤں کا ایک گولا اس کے حلق میں پھنسا لیکن ابھی نہیں۔ ابھی اس نے نہیں رونا تھا۔

”میں ایسا کچھ نہیں سمجھتی۔ وہ ایک مہربان انسان ہیں اور میں جب بھی ان کے پاس گئی ہوں، خالی ہاتھ لوٹ کے نہیں آئی۔ مجھے آپ سے بھی یہی امید ہے۔ اسی لیے آپ سے ریکورسٹ کر رہی ہوں۔ کیا آپ میری مدد کریں گی؟“

”میں ضرور کرتی، اگر میں کسی عالمان کو جانتی ہوتی۔ آئی ایم سوری۔“ زارا نے کندھے بے چارگی سے اچکائے اور واپس میز کی طرف پلٹ گئی۔

”ایک دن آپ بھی کسی سے شادی کریں گی... ماں بنیں گی... آپ کا بھی کوئی بچہ ہو گا اور تب آپ میری فیلنگز...“ زارا اسی تیزی سے پلٹی۔ اس کی آنکھوں میں اچانک سے شرارے دوڑنے لگے تھے۔

”وہ واحد شخص جس سے میں کبھی شادی کروں گی، وہ ماہر فرید ہو گا۔ میری یہ بات بھولنا مت۔“

وہ ایسے غرائی تھی کہ مالا پلک تک نہ جھپک سکی۔ سارے الفاظ جیسے کھو گئے۔ نا سمجھی سے زارا کو دیکھا۔ وہ واپس مڑ چکی تھی اور ہاتھ سے اسے باہر نکلنے کا اشارہ کر رہی تھی۔ مالا کی آنکھوں نے اس کے ہاتھ میں پہنی سنہری انگوٹھیوں کو دیکھا۔ منگنی کی انگوٹھی اب وہاں نہیں تھی۔ لیکن وہ کہہ رہی تھی کہ وہ ماہر سے شادی کرے گی؟

وہ انہی قدموں سے واپس پلٹ گئی۔ البتہ اس کا دل عجیب خراب سا ہو رہا تھا۔ فوٹو کا پیڑ پہ ابھی تک رش لگا تھا۔ وہ چپ چاپ اس قطار میں کھڑی ہو گئی، البتہ گردن موڑ کے بار بار اس شیشے کی دیوار کو ضرور دیکھتی جہاں زارا اپنا سامان پیک کر رہی تھی۔

آفس سے باہر آ کے زارا نے شبنم کے ڈیسک پر اس باکس کو رکھا۔ شبنم جو لپ ٹاپ پہ مصروف تھی، ہڑ بڑا کے سیدھی ہوئی۔ باکس کو دیکھ کے گہری سانس لی۔

”یہ آپ کے پارٹمنٹ میں پہنچانا ہے، میم؟“

”اونہوں! بابا کے گھر پہ۔ میں آج کل وہیں رہ رہی ہوں۔“

وہ مالا سے چند فٹ کے فاصلے پر ہی کھڑی تھی۔ مالا اس کو بخوبی سن سکتی تھی۔

”اور یہ ماہر کی چیزیں ہیں۔“ ایک چھوٹا باکس ساتھ رکھا۔ ”یہ بھی بابا کی طرف پہنچانی ہیں۔ رات ماہر وہیں

آ رہا ہے ڈنر پہ۔ میں اسے دے دوں گی۔“

شبم کا کندھا تھپک کے وہ آگے بڑھ گئی۔ شبم نے اچھنبے سے ان دونوں باکسز کو دیکھا۔

"میں ڈائریکٹ ماہر بے کو پہنچا دیتی۔ اب یہ باکس پہلے شہر کے دوسرے کنارے جائے گا۔ پھر واپس سریار آئے گا۔ یہ کیا بات ہوئی؟" اسے زارا کی منطق سمجھ میں نہیں آئی تھی لیکن کاپی مشین میں اپنے کاغذ ڈالتی کشمالہ مبین کو آچکی تھی۔



لکڑی اور پتھروں سے بنے اس گھر میں سمندر کی لہروں کا شور اس شام سنائی دے رہا تھا۔ لونگ روم اور اوپن کچن کے درمیان رکھی ڈائننگ ٹیبل کے گرد تین کرسیاں لگی تھیں۔ ایک پر عبد المالك فرید بیٹھے تھے۔ نائٹ سوٹ پہن رکھا تھا، اونی ٹوپی سر پہ تھی، اور چہرہ مزید کمزور دکھائی دیتا تھا۔ اپنے استخوانی ہاتھ سے وہ سوپ میں بریڈ بھگو کے لقمہ لے رہے تھے۔

دوسری کرسی پر ماہر موجود تھا۔ اس نے سیاہ پینٹس پہ سرمئی ہائی نیک سویٹر پہن رکھا تھا اور آستین پیچھے کو چڑھائے وہ مسلسل موبائل پہ بٹن دبا رہا تھا۔ چھت سے لگتا زرد بلب والا لیمپ ان کے سروں سے ذرا سا اوپر تھا اور اس کی روشنی سارے کو ایک خوابناک سا تاثر دے رہی تھی۔ فضا میں سمندر کے نمکین پانی کی خوشبو تھی اور پار میسان پنیر کی مہک۔ اس گھر میں خوشبودار موم بتیاں جلانے کا رواج نہ تھا۔

زارا کی کرسی خالی تھی۔ وہ کچن کاؤنٹر پہ کھڑی پاستا ڈش میں نکال رہی تھی۔ اس کے بل دار بال اونچی پونی میں بندھے تھے، یوں کہ لہروں کی صورت کمر پہ گرتے تھے۔ اس نے بھی سیاہ پینٹس پہ ہائی نیک پہن رکھی تھی اور بلاک ہیلز لکڑی کے فرش پہ ٹھک ٹھک آواز پیدا کر رہی تھیں۔ پھر وہ ڈش لئے میز تک آئی اور کرسی کھینچی۔ لکڑی کے لکڑی سے رگڑنے کی آواز سنائی دی اور اشتہا انگیز صورت والا پاستا درمیان میں رکھا۔ پھر مسکرا کے ماہر کو دیکھا۔

"تھینک یو کہ تم آئے۔"

ماہر ہلکا سا مسکرا دیا، ساتھ ہی مالک کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں تشویش تھی۔ وہ جیسے بار بار ان کے چہرے کو پڑھنے کی کوشش کرتا تھا۔

”آج کا سیشن کیسا رہا؟“ وہ بظاہر لہجے کو سرسری بنا کے پوچھ رہا تھا۔ جانتا تھا مالک فرید کو اپنی بیماری سے متعلق بات کرنا نہیں پسند۔ انہوں نے بس ایک کٹیلی نگاہ اس پہ ڈالی اور پھر زار کو دیکھا۔

”بیر بل کیوں نہیں آیا؟“

زار نے شانے اچکا دیے۔

”بلا یا تھا۔ کہہ رہا تھا وہ اور اس کی بیوی ڈنر پہ جارہے ہیں۔ میں نے اصرار نہیں کیا۔“

ماہر کے چہرے پہ بد مزگی سی پھیلی لیکن بولا کچھ نہیں۔ پاستا کی ڈش مالک کے سامنے کی۔ انہوں نے بے زاری سے اسے پرے کرنے کا اشارہ کیا۔ آج کل ان سے کچھ کھایا نہیں جاتا تھا۔

”تم نے آفس سے اپنی چیزیں لے لیں؟“ چند لمحے خاموشی سے گزرے تو ماہر نے چیچ میں پاستا بھرتے ہوئے سوال کیا۔

”کچھ چیزیں لی ہیں۔ باقی کسی اور دن۔“ زار نے چیچ کا ٹائپے رکھا اور جیسے یاد آنے پہ بتانے لگی۔

”تمہاری کچھ نوٹ بکس غلطی سے میرے سامان میں آگئیں۔ وہ میں نے عمار سے کہہ کے تمہاری کار میں رکھوا دی ہیں۔“

”اوکے۔“ وہ پلیٹ میں چیچ ہلا رہا تھا۔ زار اب مالک فرید سے مخاطب تھی۔ وہ انہیں ان کے کسی فیملی فرینڈ کے بارے میں بتا رہی تھی۔ ماہر ان لوگوں کو جانتا تھا جن کی بات کی جارہی تھی لیکن اس کا ذہن یکسوئی سے اس کی بات نہیں سن رہا تھا۔ اس کی نگاہ بار بار پلیٹ کے ساتھ رکھے موبائل کی بجھی ہوئی اسکرین کی طرف اٹھتی تھی۔

اس وقت وہ کیا کر رہی ہوگی؟ صبح بیکری میں ان کی گفتگو ادھوری رہ گئی۔ مالا کو اتنی رینویشن کروانے کی کیا ضرورت تھی؟ اتنا خرچہ خواہ مخواہ میں کیا ہوگا۔ کیا اس کے پاس اتنی سیونگنز تھیں؟ اس نے بیکری اسے دے دی

تھی لیکن اگر وہ واقعی واپس چلی گئی تو وہ اتنے کم عرصے میں اسے کیسے چلائے گی؟ مگر یہ کس کو معلوم تھا کہ بدر اسے کب ملے، اور وہ کب تک یہاں رکے؟

اون کی گھنٹی بجی تو زارا کو جیسے یاد آیا۔ وہ تیزی سے اٹھ کے اون کی طرف گئی۔ شاید وہ اندر کچھ رکھ کے بھول گئی تھی۔ ماہر نے ایک دم موبائل اٹھایا اور اسکرین روشن کی۔ انگلیاں تیزی سے کی پیڈ پر چلنے لگیں۔

”رینو ویشن کہاں تک پہنچی؟“ میسج لکھ کے بھیجا اور موبائل رکھ دیا۔ ابھی چچہ اٹھایا ہی تھا کہ ٹون بجی۔ اس نے تیزی سے موبائل واپس اٹھایا۔ گرین آئیز لکھا دیکھ کے مسکرایا۔

”ابھی بیکری پہ ہوں۔ پینٹ کر رہی ہوں۔“

”دکھاؤ!“

عبدالملک فرید نے بغور ماہر کے جھکے چہرے کی مسکراہٹ دیکھی جس پہ موبائل کی نیلی روشنی پڑ رہی تھی۔

”تم نے بیکری مالا کو دے دی؟“

ماہر نے چونک کے چہرہ اٹھایا۔ پھر تاثرات سنجیدہ کرتے ہوئے موبائل میز پر الٹا کے رکھا۔

”جی۔“

”کیوں؟“

”کیوں؟“ دوسرا کیوں زارا کی طرف سے آیا تھا جو دستانوں سے ایک گرم پین پکڑے میز کی طرف آرہی تھی۔ شاک اتنا بڑا تھا کہ وہ راستے میں رک گئی۔

”بیربل اس کو تباہ کر رہا تھا۔ مالا اسے بہتر کر سکتی ہے۔“

”مگر....“ زارا کچھ کہہ ہی نہ سکی۔ حیرت سے زیادہ اسے صدمہ پہنچا تھا۔

”اس بیکری کو دوبارہ کھڑا کرنے کے لئے اس کو ایک انویسٹر کی ضرورت ہوگی۔“ مالک فرید جیسے سوچتے ہوئے بول رہے تھے۔

ماہر نے ہلکے سے کندھے اچکائے۔

”یہ اس کا مسئلہ ہے۔ خود مینیج کر لے گی۔“ انداز سرسری تھا۔ البتہ وہ زارا کو نہیں دیکھ رہا تھا۔ الٹا رکھا موبائل پھر سے تھر تھرایا۔ البتہ وہ ابھی اسے اٹھانے کا رسک نہیں لے سکتا تھا۔

”تم اتنی قیمتی جگہ اس کو کیسے دے سکتے ہو؟ اس نے تو اس شہر سے چلے جانا ہے۔ نہیں؟“ زارا نے جیسے بہت ضبط سے آواز کو ہموار رکھا۔

”کہانا، یہ اس کا مسئلہ ہے۔“ ماہر کی آواز میں ہلکی سی بیزاری تھی۔ عبدالمالک فرید نے اس بیزاری کو بہت واضح محسوس کیا تھا۔

”اور زیاد؟“

ماہر نے چونک کے انہیں دیکھا۔ وہ اسی تشویش سے اسے دیکھ رہے تھے۔

”وہ مجھے ملا تھا۔ ہمیشہ کی طرح مجھے دھمکی دی۔ لیکن کیا فرق پڑتا ہے؟“

”فرق پڑتا ہے، ماہر۔ وہ اس شہر سے اپنا انتقام لیے بغیر نہیں جائے گا۔ ہمیں اس کا کچھ کرنا ہو گا۔“

ماہر کے ابرو ناگواری سے تن گئے۔

”ہم زیاد سلطان جیسے نہیں ہیں۔ نہ ہی ہم قانون کو ہاتھ میں لیں گے۔ ایسا کچھ مت سوچنا، مالک۔“ اس کی آواز میں تنبیہ تھی۔

عبدالمالک فرید نے ابرو اٹھا کے اسے دیکھا۔

”مجھے جو کرنا ہے وہ میں کروں گا۔ نہ پہلے تمہاری اجازت مانگی ہے نہ اب مانگوں گا۔“ اکھڑے لہجے میں

کہہ کے وہ اپنے باؤل پہ جھک گئے۔ اس سے پہلے کہ ماہر کچھ کہتا...

”اگر تم نے بیکری کو پھر سے اٹھانا تھا تو تم مجھے بتا سکتے تھے۔ ہم ایک ٹیم بنا کے اس پہ کام کرتے، اس کے لیے انویسٹر ڈھونڈتے اور...“ زارا بے چینی سے تیز تیز بول رہی تھی جب ماہر نے ہاتھ اٹھایا۔

”میرا اس پہ قرض تھا، زارا۔ مجھے یہ بیکری اسی کو دینی تھی۔ یہ باب بند ہوا۔“ دھیمے مگر دو ٹوک انداز میں کہہ کے اس نے موبائل اٹھالیا۔ اسکرین روشن کی۔

وہاں ایک دیوار کی تصویر موصول ہوئی دکھائی دے رہی تھی جو آدھی پینٹنگ سے بھری تھی اور آدھی پہ چند نیلی tapes آڑھی ترچھی کر کے لگا رکھی تھیں۔ ماہر نے انگلیوں کی چٹکی کھول بند کر کے زوم کیا اور اس تصویر کو ہر زاویے سے دیکھا۔ نہ جانے وہ کیا بنا رہی تھی لیکن اچھا ہی بنائے گی۔ چہرے پر مسکراہٹ پھر سے آگئی تھی۔

”میں گھر جاتے ہوئے چکر لگاؤں گا۔ ابھی مالک کی طرف ہوں۔“ اس نے پیغام لکھ کے بھیجا اور موبائل الٹا کر کے رکھا۔ چہرہ اٹھایا تو وہ دونوں اسے ہی دیکھ رہے تھے۔ ماہر نے پھر سے مسکراہٹ کو سنجیدگی میں بدلا۔ مالک فرید نگاہیں موڑ کے کھانے کی طرف متوجہ ہو گئے اور زارا سے نظریں اس نے خود ہی چرائیں۔ البتہ اس کی مسکراہٹ ابھی تک ہونٹوں پہ موجود تھی۔

زارا کھنکھار کے اب کچھ اور کہہ رہی تھی۔ اپنی بہن کی بات... بہنوئی کا قصہ... لیکن ماہر کا ذہن کہیں اور لگا تھا۔



”میں گھر جاتے ہوئے چکر لگاؤں گا۔ ابھی مالک کی طرف ہوں۔“

اسکرین پر الفاظ دمک رہے تھے اور کشمالہ مبین کی آنکھوں کے دیئے بجھ گئے تھے۔ اس نے بے دلی سے اسکرین بجھائی اور موبائل پر بے ڈال دیا۔ کچھ تھا جس نے سارا موڈ خراب کر دیا تھا۔ وہ ابھی تک زارا کے ساتھ تھا۔ وہ اس کی زندگی سے کبھی نہیں جائے گی۔

وہ فرش پر آلتی پالتی کیے بیٹھی تھی۔ بیکری کی ساری بتیاں جلی تھیں۔ البتہ اس وقت وہاں کوئی دوسرا ذی نفس نہیں تھا۔ صرف وہ تھی، اس کے رنگ اور ماہر کے میج سے حلق میں اٹکتی کڑواہٹ۔

(خیر، مجھے کیا! وہ جس کے ساتھ بھی ہو۔ کزن ہے وہ اس کی۔) سر جھٹک کے مالانے پھر سے فرش اٹھا لیا۔ وہ ایپرن پہنے ہوئے تھی، چھوٹے بال پونی میں مقید تھے اور سر پر سفید ریشمی رومال باندھ کے گردن کے پیچھے گرہ لگا رکھی تھی۔ زمین پر بیٹھے بیٹھے وہ دیوار کے اس حصے پر باریک برش سے لکیر کھینچ رہی تھی جو فرش سے مل رہا تھا۔ دائیں بائیں جا بجا ادھ کھلے کارٹن اور پینٹ کے ڈبے رکھے تھے۔ پلاسٹک شیٹس اور پینٹرز ٹیپ جگہ جگہ چسپاں تھیں اور فضا میں مٹی کے تیل اور تازہ پینٹ کی مہک تھی۔

”ہپی برتھ ڈے ٹو یو۔“

مالانے چونک کے گردن موڑی۔ دائیں دیکھا پھر بائیں۔ وہاں پہ کوئی نہ تھا۔ کیا یہ اس کا وہم تھا؟ وہ دیوار کی طرف پلٹی لیکن ذہن بکھر سا گیا تھا۔ بدقت اس آواز کو دماغ سے جھٹکا اور برش کے بالوں کو سرمئی پینٹ میں ڈبوایا تھا کہ...

”ہپی برتھ ڈے ٹو یو۔“

مدھم مردانہ آواز۔

برش اس کے ہاتھ سے پھسل گیا۔ وہ تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ بیکری کے بالائی حصے میں تھی۔ چند قدم دوڑ کے رینگ تک آئی اور نیچے جھانکا۔ بیکری خالی تھی۔ سیڑھیاں سنسان تھیں۔ دروازہ لاکڈ تھا۔ وہاں کوئی نہ تھا۔

اس کے دل کی دھڑکن بے ترتیب ہوئی۔ رنگت قدرے پھیکی پڑی۔ وہ آواز حقیقت میں نہیں تھی۔ یہ اس کا ذہن تھا جو اس کے ساتھ کوئی کھیل کھیل رہا تھا، یا پھر عالیاں کا بھیجا کوئی جن۔

وہ واپس آ کر بیٹھی ہی تھی کہ موبائل ٹرن ٹرن بجنے لگا۔ ایک دم وہ ڈر گئی۔ اف ہو۔ پھر گہری سانس لے کر فون اٹھایا۔ عبد المالک فرید کالنگ۔ اچھنبے سے ابرو اکٹھے ہوئے۔ (شاید ماہر ڈنر کے بعد ان کی طرف سے نکل پڑا تھا اور اب وہ اسے کال کر رہے تھے۔)

"ہیلو؟" فون کان سے لگایا۔

"جی، میں ٹھیک ہوں۔ تھینک یو!" رک کے سنا۔

"جی... (گہری سانس) ماہر نے یہ سفید ہاتھی میرے نام کر دیا ہے۔ (آنکھیں گھما کے اطراف میں دیکھا) اس کو ریویوٹ کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ نہیں آپ صحیح کہہ رہے ہیں، مجھے انویسٹر کی ضرورت ہے۔ بالکل! لیکن اس شہر میں میں اتنے لوگوں کو جانتی نہیں ہوں۔ کیسے ڈھونڈوں انویسٹر؟"

دوسری طرف سے کہے جانے والے الفاظ سن کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں۔ پھر چہرے پہ مسکراہٹ اتر آئی۔

"اوہ... مجھے یہ خیال نہیں آیا۔ کیا واقعی ایسا ہو سکتا ہے.....؟" اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ "اگر ایسا ہو جائے تو انویسٹمنٹ کا مسئلہ ہی حل ہو جائے....."

کال بند کی ہی تھی کہ زور سے ڈور بیل بجی۔ وہ ایک دم ڈر کے اچھلی۔ پھر تیزی سے سیڑھیوں کے دہانے تک آئی۔

گلاس ڈور کے باہر کھڑے شخص کا چہرہ دیکھ کے سانس میں سانس آیا۔

"کیا ہوا؟"

دروازہ کھلتے ہی ماہر چونک گیا۔ اس کی رنگت اڑی ہوئی تھی اور مسکراہٹ پھیکی۔

"کچھ نہیں۔ میں اپنے دھیان میں تھی۔ سوچا اتنی رات کو کون ہو گا۔"

اندر داخل ہوتے ہوئے ماہر نے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی۔ ”ساڑھے نو بجے ہیں۔ اتنی رات نہیں ہوئی۔“ وہ کوٹ کو دوسرے بازو پہ تہہ کیے ہوئے تھا اور سرمئی ہائی نیک کے آستین پیچھے چڑھا رکھے تھے۔ مالا نے جواب نہیں دیا۔ اپنے تاثرات چھپاتی پلٹ کے سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

ماہر دائیں بائیں دیکھتا سست قدموں سے اس کے پیچھے آیا۔ بیکری کو اوپر نیچے سے اکھاڑ دیا گیا تھا جیسے۔
”ری ماڈلنگ کہاں تک پہنچی؟“

وہ دونوں اب زینوں کے اختتام پر آچکے تھے۔ مالا آلتی پالتی کیے دیوار کے ساتھ فرش پر بیٹھ گئی تھی، البتہ رخ دیوار کی بجائے ماہر کی طرف تھا۔ ماہر نے دائیں بائیں دیکھا۔ وہاں کوئی کرسی نہیں تھی۔ صرف ایک میز تھی جس پر بہت ساسمان رکھا تھا۔ اس نے اپنا کوٹ ریلنگ پر ڈال دیا اور نیچے مالا کے سامنے فرش پر بیٹھا۔ فرش ٹھنڈا تھا۔ ہیٹنگ سسٹم کے باوجود۔

”مشکل ہے... لیکن ناممکن نہیں۔ میں سوچ رہی ہوں سارا فرنیچر بھی بدل دوں۔ نئی تھیم کے لحاظ سے۔“

ماہر نے نگاہیں اطراف میں گھمائیں۔ دیواروں پر جگہ جگہ پینسل سے اسکیچ بنے تھے لیکن ایسے کہ کچھ سمجھ نہیں آتی تھی کہ وہ کیا ہیں۔ اس نے واپس مالا کو دیکھا۔ آنکھوں میں تشویش تھی۔

”تم اتنا خرچہ کیسے کرو گی؟ میری رائے میں بیکری ویسے ہی ٹھیک تھی۔ تمہیں صرف اس کو چلانا تھا۔ یوں ساری لگ تبدیل کرنے پہ لاکھوں کا خرچہ آتا ہے اور...“

”خرچے کی فکر نہیں ہے۔ مجھے انویسٹر مل گیا ہے۔“ اس کی ٹون ہی بدل گئی تھی۔ وہ ایک دم جیسے ہلکی پھلکی ہو گئی تھی۔

ماہر فرید کے دونوں ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔

”انویسٹر...؟ کون... کیسے...؟“ اس نے مالا کو یوں دیکھا جیسے اس کا دماغ چل گیا ہو۔

کشمالہ نے مسکرا کے کندھے اچکائے۔ ”بس مل گیا ہے۔ سارا خرچہ وہی کرے گا۔ میرا صرف دماغ استعمال ہو گا۔ آئیڈیاز۔ مارکیٹنگ۔ یونو۔“ اس کا چہرہ جوش سے گلابی ہو رہا تھا۔ وہ خوش لگ رہی تھی۔ آج اس کے چہرے پر پینٹ کا ایسا کوئی داغ نہ تھا جس کے بارے میں وہ چپ رہتا۔

”لیکن تم اس شہر میں کسی کو نہیں جانتیں۔“

کشمالہ نے جیسے برامان کے اسے دیکھا۔

”یہ شہر صرف تمہارا نہیں ہے۔ کئی دفعہ آئی ہوں یہاں اپنے شوٹس کے لئے۔ میں فوٹو گرافر ہوں اور ہم لوگوں کے گھروں میں جاتے ہیں۔ بہت سے کنشسز بن جاتے ہیں۔ کئی اچھے لوگوں کو جانتی ہوں میں... اور کئی برس سے جانتی ہوں۔“

ماہر نے آنکھوں کی پتلیاں سکیڑ کے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔

”مجھے یقین نہیں آتا۔ لیکن خیر.... آریو شیور تمہارا انویسٹر (آواز میں کڑواہٹ تھی) اتنا سارا خرچہ کرے

گا؟“

اس نے پھر سے مسکرا کے شانے اچکائے۔

”سب کچھ کرے گا۔ میں نے صرف اسے بل تھمانا ہے۔“

ماہر نے لب بھینچ لیے۔ غیر آرام دہ سا پہلو بدلا۔ (وہ اتنا بڑا فیصلہ لینے سے پہلے اس سے پوچھ سکتی تھی۔ مشورہ کر سکتی تھی۔ لیکن نہیں۔)

”کیا گارنٹی ہے کہ بل تھمانے پہ وہ یہ ساری پے منٹ کرے گا؟ کوئی کانٹریکٹ کیا ہے کیا؟“ پھر اس نے لہجہ کو قدرے نرم کیا۔ ”دیکھو اس شہر میں لوگ بڑے بڑے scams بہت آسانی سے کر لیتے ہیں۔ یہ کینیڈا نہیں ہے جہاں لوگوں کو پولیس کا خوف ہو۔ یہاں پہ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ اس لیے تمہیں یوں آنکھیں بند کر کے کسی پہ بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔ پہلے پیسے لے لو اور اس کے بعد...“ ماہر نے اطراف میں ہاتھ ملایا۔ ”یہ سارے خرچے کرو۔“

لیکن وہ اسی طرح مسکرا رہی تھی۔ ”کہانا وہ پیسے دے دے گا۔ میں سارے بلز آخر میں اس کو تھما دوں گی۔“ وہ مطمئن تھی، لاپرواہی کی حد تک۔

ماہر نے افسوس سے سر دائیں بائیں ہلایا۔ اس بیکری میں یہ پہلی دفعہ نہیں تھا جب وہ کسی کو کاروبار کے اصول سمجھا رہا تھا۔ لیکن یہ طے تھا کہ ماہر فرید کی بات کوئی آسانی سے نہیں مانتا تھا۔

”کیا معاہدہ ہوا ہے تمہارا انویسٹر کے ساتھ؟ پرافٹ کی شرح کیا ہو گی؟“ وہ اسی سنجیدگی سے پوچھنے لگا۔ آواز میں ناپسندیدگی تھی۔

”پہلے انویسٹمنٹ تو ہو جائے، پھر دیکھ لیں گے پرافٹ وغیرہ کو، ماہر بے۔“ وہ لاپرواہ تھی یا خوش، وہ فیصلہ نہیں کر سکا۔ یہ طے تھا کہ اس کی ابھی ابھی کسی انویسٹر سے بات ہوئی تھی۔ پیسے کی امید دلانے کے پہلے چند گھنٹوں میں ہر خیالی پلاؤ پکانے والے کی یہی حالت ہوتی ہے۔ وہ سمجھ سکتا تھا۔ یہ بھی جانتا تھا کہ وہ اسے نہیں بتائے گی۔ جیسے اس نے عالیان کی کہی بات اس سے چھپالی تھی جو اس نے صرف مالک کو بتائی تھی۔

”تم میرے گھنٹی کرنے پہ ڈر کیوں گئی تھیں؟“

مالا کے چہرے کی جوت بجھی۔ لب کھولے جیسے تردید کرنا چاہتی ہو، پھر رک گئی۔ نو فلٹر اور نو جمنٹ کا دعویٰ کیا تھا۔ اسے نبھانا بھی تھا۔

”مجھے وہ آواز سنائی دی تھی پھر سے۔ پیپی برتھ ڈے ٹویو۔“

وہ دونوں پیٹ کے ڈبوں اور خاکی باکسز کے درمیان فرش پر آمنے سامنے بیٹھے تھے اور وہ رک رک کے بول رہی تھی۔

”کئی برس پہلے مجھے یہ آواز سنائی دیتی تھی... ہلال کی آواز... بعد میں اس نے مجھے بتایا تھا کیسے وہ میوزک باکس کی چابی گھماتی تھی اور ساتھ پیپی برتھ ڈے ٹویو کہتی تھی تو آواز کسی طرح مجھ تک پہنچ جاتی تھی۔“

”لیکن ہلال کے پاس وہ باکس نہیں ہے، نہ ہلال...“

مالا نے اثبات میں سر ہلایا۔ ”اب مجھے ہلال کی آواز نہیں سنائی دے رہی۔“

”پھر کس کی آواز؟“

”اس روز خواب میں اور ابھی بھی مجھے مردانہ آواز سنائی دی ہے۔ ایک آواز جس کے پیچھے بہت سی آواز
یہ ہیں۔ ظہیر کی آواز۔“

ماہر کو چند لمحے یاد کرنے میں کہ ظہیر کون تھا۔

”وہ اوشن کا مالک جس نے اوشن بیچ کے تمہیں نکال دیا تھا؟“

مالا نے اثبات میں سر ہلایا۔

”وہ کہاں سے آگیا؟ اس کا اس سب سے کیا تعلق؟“

”پتہ نہیں... لیکن ایک دفعہ ان سب نے میری برتھ ڈے یوں منائی تھی۔ مجھے کہا کہ اوشن میں آگ لگ
گئی ہے اور میں پہنچی تو سارا اسٹاف کیک لیے کھڑا تھا۔ ظہیر کی آواز ان میں سب سے واضح تھی۔ وہ سب تالیاں بجا
رہے تھے۔ میں بہت panic میں وہاں گئی تھی۔ مجھے panic کی وہ کنڈیشن کبھی نہیں بھولے گی۔ خوف۔
پریشانی۔ آفس کے لاکر میں میرے ڈاکو منٹس اور چند قیمتی چیزیں تھیں۔ مجھے لگا سب کچھ جل جائے گا لیکن میں
وہاں پہنچی تو ایک سرپرائز میرا انتظار کر رہا تھا۔“

”اور کیا تمہیں وہ سرپرائز اچھا لگا تھا؟“

مالا ادا سی سے مسکرا دی۔ ”ان کے سامنے میں نے ظاہر کیا کہ میں بہت خوش ہوئی ہوں، لیکن سچ کہوں تو
مجھے وہ سرپرائز اچھا نہیں لگا تھا۔ کیونکہ میں ڈر گئی تھی۔ اور اب وہ پیپی برتھ ڈے کی آواز دوبارہ سن کے میرے
دل میں وہی احساس پھر سے جنم لینے لگا ہے۔ panic۔ خوف۔ پتا نہیں...“ اس نے جھر جھری لے کے سر جھٹکا۔
وہ غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”تمہارا برتھ ڈے کئی ماہ دور ہے۔ میرا نہیں خیال اس آواز کا تعلق تمہارے برتھ ڈے سے ہے۔ شاید یہ
آواز تمہیں کچھ بتانا چاہ رہی ہو۔“

کشمالہ نے کندھے اچکا دیے۔ ”پتہ نہیں۔ میں غور نہیں کرنا چاہتی۔ میں صرف...“ اس نے تھکی ہوئی سانس بھری اور گردن اٹھا کے اوپر دیکھا۔ ”بدر کو لے کے واپس جانا چاہتی ہوں... اپنی زندگی میں۔“

ایک اداسی سی بیکری پہ پھیل گئی۔ ایسی اداسی جس نے ساری روشنیاں گل کر دیں۔ امید کے سارے دیئے بجھا دیے۔ وہ چند لمحے کے لئے کچھ بول نہ سکا۔ پھر سر جھٹک دیا۔ نہ موقع تھا نہ دستور۔ دائیں بائیں دیکھا۔ ادھ کھلے کارٹن، زبرش، پینٹ کے ڈبے۔

”میری مدد چاہیے؟“

اس نے جھٹ سے سر ہلایا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ ”صرف ایک چیز کے لیے۔“

وہ میز تک گئی۔ ایک کھلے کارٹن میں ہاتھ ڈالا اور ایک چیز باہر نکالی جو نکتے ساتھ ہی کھنکھنائی تھی۔ ماہر نے اچھنبے سے اس طرف دیکھا۔ وہ ہاتھ میں ایک بیل (گھنٹی) لیے ہوئے تھی۔ جامنی رنگ کی بیل۔ جیسے چرچ بیل ہوتی ہے۔

وہ مسکرا دیا۔

”یہ کیا ہے؟“

”یہ دروازے پر لگانی ہے تاکہ جب کوئی دروازہ کھولے تو مجھے معلوم ہو۔“ سیکورٹی بھی ہوگی اور خوبصورتی بھی۔ ”وہ گھنٹی اٹھائے کھڑی مسکرا رہی تھی۔“ لیکن میرا ہاتھ وہاں تک نہیں پہنچ رہا۔ یہ کام میں نے تمہارے لئے رکھ دیا تھا۔“

ماہر کہنا چاہتا تھا کہ اپنے انویسٹر کو کہہ دیتی، شاید وہ لگا دیتا گھنٹی۔ لیکن خیر... وہ مسکرا کے اٹھا، گھنٹی ہاتھ سے لی اور زینے اترنے لگا۔ ہر اترتے قدم کے ساتھ وہ گھنٹی جھنجھنار ہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ماہر بیکری سے گھر ہی جا رہا تھا۔ اسے ساتھ چلنے کے لیے صرف ایک دفعہ کہا۔ جانتا تھا وہ نہیں مانے گی۔ اسے اپنی بس پسند تھی۔ وہ کچھ دیر مزید کام کرے گی پھر بس پکڑ لے گی۔ ماہر نے مزید اصرار نہیں کیا۔ اسے گھر کے راستے میں ایک جگہ رکنا تھا۔

وہ ہائی وے پہ تھا جب احساس ہوا کہ بیک ویو مرر میں ایک کار کی لائٹس بہت تیز روشن دکھائی دے رہی ہیں۔ اس نے چوکنے انداز میں چند ایک دفعہ مرر میں دیکھا، پھر رفتار تیز کی۔ اس کار کی رفتار بھی تیز ہو گئی۔ ماہر نے اچانک رفتار آہستہ کی، تو وہ کار بھی سست ہو گئی۔ وہ مسلسل اس کے پیچھے تھی۔

ایک موڑ پہ ماہر ایک دم کار پارکنگ لین میں لے گیا۔

تعاقب کرتی کار رک نہ پائی۔ وہ اسی رفتار سے زن سے سامنے نکل گئی۔ وہ ڈرائیور کا چہرہ نہیں دیکھ سکا۔ اس نے کالا لبادہ اوڑھ رکھا تھا۔ وہ کچھ دیر پارکنگ لین میں کار روکے کھڑا رہا۔ پھر اسے دوبارہ سڑک پر ڈال دیا۔ چند لمحے گزرے تھے جب موبائل کی گھنٹی بجنے لگی۔ نمبر غیر شناسا تھا۔ اس نے کار فون کا اسپیکر آن کیا اور کچھ نہیں بولا۔ خاموشی۔ پھر مردانہ آواز گونجی۔

”میں صرف تمہیں یہ بتانا چاہتا تھا کہ تم میری نظر میں ہو۔“

وہ اسی آواز کی توقع کر رہا تھا۔

”اور میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میرے تمام ایڈریسز تمہیں معلوم ہیں۔ میں اسی شہر میں ہوں، کہیں جاؤں گا نہیں۔“

چند لمحے کے لیے اسپیکر خاموش رہا اور پھر...

”کشمالہ سے دور رہو، ماہر۔ میں تمہیں آخری دفعہ بتا رہا ہوں۔ اس کی زندگی میں تمہاری کوئی جگہ نہیں ہے۔“

زیاد سلطان کی آواز میں طیش تھا۔

ماہر فرید کی کنپٹی کی رگ تن گئی۔

”مجھے مالا سے دور کرنے کے لئے تمہیں میری جان لینی پڑے گی، زیاد۔“ بٹن دبایا اور کال کاٹ دی۔ پھر کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی اور تیزی سے مالا کا نمبر ملانے لگا۔

”کہاں ہو تم؟“

”بس میں۔“

”کہیں رکنا مت۔ مجھے اپنی لائیو لوکیشن بھیجو، میں تمہیں راستے سے پک کر لوں گا۔“

”میں نے کہا نا، ماہر... میری عادتیں خراب...“

”مالا، بحث نہ کیا کرو ہر دفعہ... لائیو لوکیشن بھیجو...“

بس ہر تین چار منٹ کے بعد کسی نہ کسی اسٹاپ پر رکتی تھی۔ ماہر کی کار متعین کردہ اسٹاپ تک آئی تو مالا نیچے اتر آئی۔ حیرت اور اچھنبے سے وہ اسے دیکھ رہی تھی جو دروازہ کھول کے تیزی سے اس کی طرف آیا تھا۔

”اندر بیٹھو۔“ وہ دائیں بائیں بھی دیکھ رہا تھا۔ مالا ایک دم چونک گئی۔

”کیا کوئی خطرہ ہے؟“

ماہر نے جواب نہیں دیا۔ سر کے خم سے اشارہ کیا۔ وہ چپ چاپ کار میں بیٹھ گئی۔ سیٹ بیلٹ پہنی لیکن ابھی تک نا سمجھی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ واپس اندر بیٹھا اور کار اسٹارٹ کرنے لگا۔

”تمہیں رات دیر تک بیکری پہ نہیں رہنا چاہیے۔ وقت پہ گھر آ جانا چاہیے۔“

”تم نے کہا تھا میں قید نہیں ہوں۔ اب یہ کیا ہے؟“

”میں نے پہلے بھی کہا تھا اور ایک دفعہ پھر کہہ رہا ہوں...“ وہ کار سڑک پر ڈالتے ہوئے سخت لہجے میں کہہ رہا تھا۔ ”زیاد سلطان ایک خطرناک آدمی ہے۔ وہ اسی شہر میں ہے اور وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔“

”میں اس کے بیٹے کی ماں ہوں، ماہر۔ وہ مجھے نہیں مارے گا۔ اس کے پاس مجھے مارنے کے بہت سے مواقع تھے۔ مجھے زیادہ سے نہیں عالیاں سے خطرہ ہے۔“

ماہر نے گہری سانس لی۔ تنے اعصاب قدرے ڈھیلے ہوئے۔

”جانتا ہوں وہ تمہیں نہیں مارے گا۔ اس کی ہٹ لسٹ پہ کوئی اور ہے۔“ آخری سطر وہ زیر لب بڑبڑایا۔
”پھر سر جھٹکا۔“ مارنا واحد طریقہ نہیں ہوتا انتقام لینے کا۔ وہ کچھ اور بھی کر سکتا ہے۔ وہ پہلے بھی کئی دفعہ بہت کچھ کر چکا ہے۔ تم آئندہ احتیاط کرو گی۔“

وہ گردن موڑے غور سے اس کو دیکھ رہی تھی۔

”کیا اس نے پھر تمہیں کوئی دھمکی دی ہے؟“

”مجھے اپنی پرواہ نہیں ہے، مالا۔ مجھے تمہاری فکر ہے۔“

”کوئی کسی کو نہیں بچا سکتا، ماہر... اور میں اپنا خیال خود رکھ سکتی ہوں۔ مجھے سچ بتاؤ... اس نے پھر سے کچھ کیا ہے نا؟“

ماہر نے ہلکے سے کندھے اچکائے۔ ”وہ یہ دھمکی کئی برس سے دے رہا ہے۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔“ ایکسیلیٹر پر اس کے پیر کا دباؤ بڑھ گیا تھا۔ کار کی رفتار تیز تھی۔ وہ محسوس کر سکتی تھی کہ وہ پریشان تھا لیکن بولی کچھ نہیں۔ بس کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

دل میں عجیب بے چینی سی اٹھ رہی تھی۔

بدر کو لیتے ہی اسے یہاں سے چلے جانا چاہیے کیونکہ زیادہ سلطان سے کچھ بعید نہیں تھا۔ وہ اس شہر میں صرف ایک شخص کی جان لینے آیا تھا۔ اور مالا اس شخص کی جان کو مزید اپنی وجہ سے خطرے میں نہیں ڈال سکتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کبیرہ بیگم نے اسے اسی ہوٹل میں بلایا تھا جہاں ڈیڑھ ماہ قبل استنبول آنے کے بعد مالا ٹھہری تھی اور جہاں اس نے ماہر کو مدعو کیا تھا۔ اس کے ریستوران کی کرسیوں کا رنگ جامنی تھا۔ اس روز اس نے اس رنگ کو ایسے محسوس نہیں کیا تھا جیسے وہ آج کر رہی تھی۔ اس روز انہی کرسیوں پر مالا اور ماہر بیٹھے تھے اور تین دن بعد بیربل اس سے یہیں ملنے آیا تھا۔ یہ وہ ہوٹل تھا جو اس کے کلائنٹ نے اس کے لیے بک کیا تھا۔ اپنی ذاتی کمائی سے وہ ایسا ہوٹل انورڈ نہیں کر سکتی تھی اور اگر پیسے ہوتے تب بھی یہ فضول خرچی نہ کرتی۔ لیکن کبیرہ بیگم کا معیار الگ تھا۔ ان کا اسٹیٹس اور ذرائع آمدن کشمالہ مبین سے کہیں زیادہ تھے۔

وہ جب ہال میں داخل ہوئی تو کبیرہ سادان اس کو دور سے دکھائی دیں۔ جن کرسیوں پر ایک دفعہ وہ ماہر کے ساتھ بیٹھی تھی وہ اس میز پر موجود نہیں تھیں بلکہ ہال کے دوسرے سرے پر ایک آئینے سے ڈھکی دیوار کے ساتھ رکھے سرمئی صوفے پر براجمان تھیں۔ بوائے کٹ بال جیل سے سیٹ تھے۔ کانوں اور گردن میں ہیرے جگمگا رہے تھے اور وہ آنکھیں موبائل اسکرین پر جمائے ہوئے تھیں۔ سفید براق بلاؤز پہنے جس کے گریبان پہ جھولتے لاکٹ میں کم از کم تین کیرٹ کا ہیرا دمک رہا تھا۔

مالا جیسے جیسے ان کے قریب آتی گئی، اسے کبیرہ کے سر کے پیچھے آئینے میں اپنا عکس بھی نزدیک آتا دکھائی دیا۔

کندھوں تک آتے بال، ہلکا میک اپ، سفید کوٹ (جو بار بار ڈرائی کلین ہونے کے باعث پہلے جیسا نہیں رہا تھا) اور گردن میں جھولتی فاختہ۔ گالوں پہ دو تین دانے بھی تھے اور ہاتھ پینٹ کرنے اور بار بار دھونے کے باعث مسلسل خشک ہو رہے تھے۔

ہر بڑھتے قدم کے ساتھ کبیرہ بیگم کے پرفیوم کی مہک تیز ہوتی گئی۔ وہ ان کے عین سامنے پہنچی تو انہوں نے مسکراتی آنکھیں اٹھائیں، سر سے پیر تک اس کا جائزہ لیا، پھر فون رکھ کے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

”کشمالہ!“ انہوں نے اس کو یوں گلے لگایا جیسے اس پہ ڈھیروں پیار آرہا ہو۔ جیسے ایک عرصہ وہ اس کی ماں پہ جادو نہ کرواتی رہی ہوں۔ جیسے ایک زمانے میں مالا کے ایکسنی زدہ چہرے کو انہوں نے نشانہ نہ بنایا ہو۔

مالا سیدھی کھڑی رہی۔ وہ خود ہی اسے گلے لگا کے الگ ہوئیں۔ مالا نے ہاتھ بھی نہیں ہلایا۔

”مجھے ایک نمائش کے لیے استنبول آنا ہی تھا۔ تمہاری بات نے مجھے تجسس میں مبتلا کر دیا۔ سوچا چانس لینے میں کیا حرج ہے۔“ وہ بے نیازی بھری مسکراہٹ کے ساتھ واپس بیٹھیں اور ٹیک لگالی۔ کبیرہ بیگم کی شخصیت میں ایک رعونت اور رعب تھا۔ اور انداز سے یوں ظاہر ہوتا تھا کہ انہیں عالیاں والی بات نے کچھ خاص متاثر نہیں کیا۔

”میں نے جو کہا تھا سچ کہا تھا۔“ وہ جامنی کرسی کھینچ کے بیٹھی۔ دونوں کے درمیان میز پر رکھے گلدان میں آج بھی باسی گلابی پھول تھے۔

”پہلے یہ بتاؤ تم کیسی ہو؟ تم تو کینیڈا میں ہوتی تھیں۔“ وہ آنکھیں چھوٹی کر کے مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھیں۔ ان کی آنکھوں کی چمک اس چینجنگ changeling سے مختلف نہ تھی جسے وہ خواب میں دیکھا کرتی تھی۔ شاید شیطانی چمک ایک جیسی ہوتی ہے۔

”میں اپنے بیٹے کو ڈھونڈنے استنبول آئی ہوں۔“

کبیرہ بیگم کے چہرے پر مصنوعی افسوس ابھرا۔ ہونٹ اوہ میں سکڑے۔

”اوہ ہاں۔ افسوس ہوا اس کے بارے میں سن کے۔ مجھ سے بہتر تمہارا غم کون سمجھ سکتا ہے؟ خیر... تمہاری فوٹو گرافی اور سوشل میڈیا...“

”ہم small talk کو اسکپ کر کے کام کی بات کر لیتے ہیں، کبیرہ تائی۔“ مالا مسکرا نہیں رہی تھی۔ وہ سنجیدہ تھی۔ گھٹنے ملا کے بیٹھی ہاتھ گود میں رکھے اس کے چہرے پر کسی قسم کی اپنائیت موجود نہیں تھی۔

”میں سن رہی ہوں۔“ کبیرہ بیگم کی مسکراہٹ البتہ ہونٹوں سے جدا نہیں ہو رہی تھی۔

”میرا نہیں خیال آپ کسی نمائش کے لیے آئی ہیں۔ آپ میری کال پہ ہی آئی ہیں کیونکہ دوراندر آپ کو معلوم تھا کہ میرا دعویٰ درست ہے۔“

ان کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔

”میں نے آپ کو صرف یہ نہیں بتایا تھا کہ آپ کا بیٹا عالیشان زندہ ہے اور میں اس کو جانتی ہوں... بلکہ یہ بھی بتایا تھا کہ وہ سرکار یا ایس کے کے نام سے اس انڈسٹری میں آپریٹ کر رہا ہے جس سے آپ شناسا ہیں۔“

”مجھے بالکل نہیں معلوم کہ تم کس انڈسٹری کی...“

”کبیرہ تائی، مجھے آپ کے moral compass سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ آپ اپنی زندگی میں کیا کرتی ہیں، یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔ لیکن اتنا مجھے یقین ہے کہ کسی نہ کسی ذریعے سے آپ سرکار کو جانتی ہیں یا پھر اس کے بارے میں معلوم کروا چکی ہیں۔ اسی لئے آپ اگلی فلائٹ لے کر یہاں میرے سامنے موجود ہیں... کیونکہ آپ جانتی ہیں میں سچ بول رہی ہوں۔ سرکار عالیشان ہے۔“

پہلی دفعہ کبیرہ بیگم کے چہرے پہ دراڑ سی ابھری۔ گردن میں کچھ ابھر کے معدوم ہوا۔

”پتہ نہیں تم لوگ مجھے کیا سمجھتے ہو۔ اس سے پہلے وہ بھی میرے پاس مدد کے لئے آیا تھا۔“ ہاتھ کو گھمایا، جیسے یاد کیا۔ ”ماہر علی فرید۔“ ساتھ ہی دوسرے ہاتھ کی مٹھی بند کر کے میز کے قریب لے گئیں جیسے لاٹھی ٹیکنے کا اشارہ کر رہی ہوں۔ مالا کی آنکھوں میں اچھٹا بھرا۔ پھر اسے یاد آیا۔ شاید وہ اس زمانے میں ان سے ملا تھا جب اس کی ٹانگ ٹوٹی تھی اور وہ اسٹک استعمال کرتا تھا۔

”میں نے اس کو بھی بتایا تھا اور تمہیں بھی بتا رہی ہوں، میرا ایسے لوگوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جہاں تک بات ہے میری شادی کی، وہ...“

”آپ کی شادی جادو سے ہوئی تھی۔ وہ جادو جس کو آپ دعا سمجھتی ہیں۔ نگینہ بیگم کی والدہ نے...“

کبیرہ بیگم نے ہاتھ اٹھا کے اسے روکا۔ ابرو اکٹھے ہوئے۔

”نگینہ بیگم کے بارے میں تم نے بہت سی باتیں پھیلای ہیں خاندان میں۔“

”میں نے کوئی بات نہیں پھیلائی۔ صرف سچ...“

"مجھے افسوس ہے تمہاری طلاق کا۔ تمہارے ساتھ جو ہوا اس کا۔ اور زیادہ بھلے ایک سیریل کلر ہی کیوں نہ ہو۔۔۔" انہوں نے جھرجھری لی۔ "لیکن نگینہ بیگم ایک پارسا اور نیک خاتون تھیں۔ تمہیں ان پہ الزام نہیں لگانا چاہیے تھا۔"

مالا نے گہری سانس خارج کی۔ یہ صفائیوں اور وضاحتوں کا وقت نہیں تھا۔

"مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا کہ آپ ان کے بارے میں کیا سوچتی ہیں۔ لیکن یہ سچ ہے کہ جس چیز کو آپ دعا سمجھتی ہیں وہ نگینہ بیگم اور ان کے پیر کا آپ کے ساتھ ایک کانٹریکٹ تھا، جس کے تحت آپ نے ان کو اپنا پہلا بچہ دینا تھا۔ آپ یہ سمجھتی رہیں کہ وہ پہلا بچہ آپ کی بیٹی عنایہ ہے۔ آپ اس کی شادی اسی لیے زیادہ سے کرنا چاہتی تھیں کیونکہ آپ کے نزدیک پہلا بچہ دینے کا مطلب اپنی بیٹی کی شادی نگینہ کے بیٹے سے کرنا تھی۔ لیکن۔۔۔" وہ سانس لینے کو رکی۔ اسے احساس ہوا کہ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا ہے اور وہ تیز تیز بول رہی ہے۔

"لیکن وہ پہلا بچہ سادان صاحب سے شادی کے بعد ہونے والا بچہ تھا جو کہ عالیاں تھا۔ اور نگینہ بیگم نے وہ بچہ موقع ملتے ہی آپ سے چھین لیا۔"

"میں ایک دفعہ نگینہ کے گھر گئی تھی۔ وہ کچن سنک پہ کھڑی اپنے برتن دھور ہی تھی۔ تم یہ کہتی ہو کہ ایک ہاؤس وائف دراصل ایک بہت بڑی جادو گر نی تھی؟" ٹیک لگا کے بیٹھی کبیرہ بیگم انگلی میں لاکٹ کی چین گھمار ہی تھیں۔ چہرے پہ طنزیہ مسکراہٹ تھی۔

"یہی تو کمال ہے اس انڈسٹری کا۔ یہاں کام کرنے والے بڑے بڑے پاور ہاؤسز ہم سب کے سامنے plain sight میں چھپے ہیں۔ ایسے کہ کوئی ان پہ انگلی بھی نہیں اٹھا سکتا۔ خیر۔۔۔ میں اس بارے میں بحث کرنے نہیں آئی۔ مجھے آپ کی مدد چاہیے۔"

کبیرہ بیگم کے چہرے پہ خوشگوار حیرت ابھری۔

"کہو۔"

”میرا غم آپ سے زیادہ کوئی نہیں سمجھ سکتا اور آپ کا غم مجھ سے زیادہ کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ عالیان آپ کا بیٹا ہے۔ میں اس سے مل چکی ہوں اور وہ یہ بات جانتا ہے کہ وہ آپ کا بیٹا ہے۔ لیکن میرا نہیں خیال کہ اس نے آپ کو ڈھونڈنے کی کوشش کی ہے۔ وہ نگینہ بیگم کو اپنی ماں مانتا ہے، جس کا مطلب ہے نگینہ بیگم نے آپ کے خلاف اس کی برین واشنگ کی ہے۔ ورنہ اس وقت نگینہ بیگم کہیں موجود نہیں ہیں۔ عالیان آزاد ہے لیکن وہ اپنی ماں کے پاس کیوں نہیں آیا؟“

کبیرہ بیگم کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی ابھری جسے وہ بہت مہارت سے اپنے اندر اتار گئیں۔ البتہ مالا دیکھ سکتی تھی کہ ان کا خول چٹختے لگا ہے۔ اس کی ہمت بڑھی۔

”انہوں نے اس لڑکے کی تربیت کی ہے۔ وہ بہت سمارٹ ہے۔ اس کی آنکھیں آپ کے جیسی ہیں۔ اس کے پاس پیسہ بھی ہے اور انفلوئنس بھی۔ اس کے باوجود وہ اپنی ماں سے ملنے نہیں آیا کیونکہ وہ آپ کو کوئی ولن سمجھتا ہے۔ یقیناً نگینہ بیگم نے اس کو آزاد کرنے سے پہلے اس کے ذہن پہ قبضہ کر لیا تھا۔“

کبیرہ بیگم اسی طرح اسے دیکھے گئیں۔ لب بھیچے۔ مسکراہٹ اب غائب ہو چکی تھی۔

”آپ مجھے جانتی ہیں۔ میں آپ سے جھوٹ نہیں بولوں گی۔ میں اس سے مل چکی ہوں اور یقیناً مستقبل میں دوبارہ بھی ملوں گی۔ وہ مجھے کال بھی کرتا ہے کیونکہ وہ مجھے بلیک میل کر رہا ہے۔ میرا بیٹا اس کے پاس ہے۔ میرا بیٹا...“ وہ رکی۔ اور پہلی دفعہ اسے اندازہ ہوا کہ آج اپنی ماں کی سب سے بڑی دشمن کے سامنے اسے ہاتھ پھیلانا تھا۔ اس نے حلق میں آئے آنسو نیچے دھکیلے اور کرسی پر آگے کو ہوئی۔

”میرا بیٹا آپ کے بیٹے کے پاس ہے۔ پولیس اس کو نہیں ڈھونڈ سکی۔ کوئی اس کو نہیں ڈھونڈ سکا۔ صرف آپ ہیں جو کسی طرح اس تک پہنچ سکتی ہیں۔ اور میں بس اتنا چاہتی ہوں کہ آپ اس کو راضی کر لیں کہ وہ میرے بیٹے کو چھوڑ دے۔ میں آپ سے ریکویسٹ کر رہی ہوں۔“

اس ہفتے میں دوسری دفعہ اس نے ایک ناپسندیدہ عورت کے سامنے درخواست کی تھی۔ حلق آنسوؤں سے بھر چکا تھا۔ انا مٹی مٹی ہو چکی تھی لیکن کیا فرق پڑتا تھا؟ اسے اپنا بچہ واپس چاہیے تھا۔

”تمہارے کہنے کے مطابق اگر میرا بیٹا زندہ ہے...“ کبیرہ بیگم نے تھوک نگلا البتہ لہجہ ہموار تھا۔ ”اور نگینہ اس کا ذہن میرے خلاف بھر چکی ہے، تو وہ میری بات کیوں مانے گا؟ وہ تو مجھ سے نفرت کرتا ہو گا۔“ میز پر رکھا ان کا انگوٹھیوں والا ہاتھ ہلکا سا لرزاتا تھا۔

”وہ آپ سے جتنی نفرت کر لے، آپ اس کی ماں ہیں اور خون کی کشش کوئی نہیں ختم کر سکتا۔ اگر آپ اس سے ملیں اور اس کو اپنی طرف کی کہانی بتائیں تو وہ آپ کی بات سن لے گا... کیونکہ وہ ایک چھوٹا سا لڑکا ہے۔ بائیس سال کا شاید...“

”اکیس سال، تین ماہ اور اٹھارہ دن۔“

مالا نے اثبات میں سر ہلایا۔ ”اس اکیس سال کے لڑکے کی نفرت اتنی پختہ نہیں ہو سکتی کہ اس کی اصلی ماں اس کو پگھلا نہ سکے۔“

وہ اسی طرح اسے دیکھ گئیں۔ اب چہرے پہ مسکراہٹ نہیں تھی۔ صرف سوچ تھی۔ شک تھا۔

”میں آپ کو پسند نہیں کرتی، کبیرہ تائی۔ اور میں آپ کی عزت بالکل نہیں کرتی۔ میری ماں اور میری بہن کا آپ نے ہمیشہ برا چاہا ہے۔ مجھے وہ کالے کام بھی نہیں پسند جن میں آپ ملوث ہیں اور پورا خاندان جانتا ہے۔ نہ میں ایسے لوگوں میں سے ہوں جنہیں آپ سے تعلق رکھنے کا شوق ہے۔ لیکن ایک بات میں جانتی ہوں۔“

وہ ان کی آنکھوں میں دیکھ کے کہہ رہی تھی۔

”آپ سے لاکھ اختلاف کے باوجود میں جانتی ہوں کہ آپ عالمان کے لئے نگینہ بیگم سے بہتر ماں ہیں۔ وہ آپ کا بیٹا ہے اور آپ کی اس سے محبت پہ کوئی شک نہیں کر سکتا۔ آپ نے کئی برس اپنے بیٹے پہ give up نہیں

کیا۔ آپ کے اعمال میری نظر میں غلط ہو سکتے ہیں، لیکن آپ کی مامتا کو کوئی چیلنج نہیں کر سکتا۔ اس لئے پلیز۔۔۔" اس نے دونوں ہاتھ باہم پھنسا کے میز پر رکھے۔ آنکھوں میں پانی بھرنے لگا تھا۔

”میری مدد کریں۔ وہ آپ سے رابطہ کرنے کی کوشش ضرور کرے گا۔۔۔ یا میں اسے آپ سے ملوانے کی کوشش ضرور کروں گی۔ آپ میرے لئے صرف اتنا کیجیے کہ جب آپ کی اس سے ملاقات ہو تو کسی طرح اس کو راضی کر لیں کہ وہ میرا بیٹا مجھے واپس کر دے۔ میں جانتی ہوں کہ آپ میری ماں، میری بہن، بلکہ ہم سب کو ناپسند کرتی ہیں اور ہمیں خوش دیکھ کے آپ کو اچھا نہیں لگتا۔ لیکن سچ یہ ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی مکمل طور پہ خوش نہیں ہے۔ آپ کی ہم سے نفرت اور بغض ایک طرف، میرا غم آپ کا اپنا غم ہے اور میں جانتی ہوں کہ آپ کے اندر ایک ماں آج بھی موجود ہے جو دوسری ماں کی تکلیف سمجھ سکتی ہے۔ بس مجھے یہی کہنا تھا۔“

آنسو اس کی آنکھوں سے پھسل رہے تھے۔ البتہ اس نے انہیں صاف کرنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ کبیرہ بیگم نے آنکھیں اٹھا کے اسے جاتے دیکھا۔ ان کا چہرہ ویسا نہیں تھا جیسا مالا کے آنے پہ تھا۔ کچھ تھا جو وہاں بدل چکا تھا۔ انہوں نے بس سر کو جنبش دی۔ وہاں تھا، ناں، یا پتہ نہیں۔۔۔ وہ فیصلہ نہیں کر سکی۔

البتہ وہ یہ جانتی تھی کہ ان کے خول میں دراڑ پڑ چکی تھی۔



فریدلار کے کچن میں اس شام لیموں کے ساتھ روسٹ ہوئے چکن کی خوشبو پھیلی تھی۔ یہ خوشبو اون سے آرہی تھی جس کے قریب کاؤنٹر پہ کھڑی فیضی حانم دراز کھولے چیزیں الٹا پلٹا رہی تھیں۔ چہرے پہ پریشانی تھی۔ کاؤنٹر پر دو پرس الٹے ہوئے تھے۔ پرچیاں، کارڈز، چند کرنسی نوٹ۔۔۔ سب کچھ سامنے بکھرا تھا۔ وہ بار بار پلٹ کے اس ڈھیر تک آتیں، ایک ایک کاغذ کو اٹھا کے دیکھتیں، پھر سر جھٹکتیں۔

ہیلز کی ٹک ٹک سنائی دی اور شاپنگ بیگز کی کھڑکھڑاہٹ۔ فیضی حانم نے چونک کے سر اٹھایا۔ سوزین راہداری سے چلتی ان کے سامنے آرکی۔ بلوڈرائی ہوئے بال، تیز پرفیوم اور دونوں کہنیوں پر اٹھائے شاپنگ بیگز۔

”اسے تلاش کر رہی ہیں؟“ دو انگلیوں میں پکڑا ایک کارڈ ان کی طرف بڑھایا۔

فیضی حانم کے چہرے پہ ایک دم روشنی بکھری۔ تیزی سے وہ کارڈ پکڑا، پھر چونک گئیں۔

”یہ آپ کے پاس...؟“ نگاہیں اس کی کہنیوں سے لٹکتے بیگز پہ گئیں۔ دل کو دھکا لگا۔

”ہاں، مجھے شاپنگ پہ جانا تھا۔ کوئی اعتراض؟“

فیضی حانم نے ایک نظر کارڈ کو دیکھا، دوسری نظر سوزین پہ ڈالی۔

”یہ ماہر بے کارڈ ہے۔ صرف گروسری کے لئے انہوں نے مجھے.....“ وہ منمنائیں۔

”میں بھی گروسری کر کے آئی ہوں۔“ کندھے اچکا کے وہ آگے بڑھ گئی۔

فیضی حانم نے درزیدہ نگاہوں سے اسے جاتے دیکھا۔

(Sephora سے کون سی گروسری ہوتی ہے؟ ہونہہ!)

سوزی کمرے میں داخل ہوئی تو بیربل آرام کرسی پر خاموشی سے بیٹھا تھا۔ پیر او تو من پر رکھے ہوئے تھے اور وہ چھت کو دیکھ رہا تھا۔ اسے آتے دیکھ کے پھیکا سا مسکرایا۔ سوزی نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا، پھر بیگز ڈریسنگ ٹیبل کے دائیں بائیں زمین پر رکھے اور اس تک آئی۔ بیربل نے او تو من سے پیر ایک طرف سرکائے، اس کے لئے جگہ بنائی۔ وہ وہاں بیٹھی، ٹانگ پر ٹانگ جمائی اور آنکھیں چھوٹی کر کے اسے دیکھا۔

”پریشان لگ رہے ہو۔“

”بروکر سے بات کر رہا تھا۔ کاٹیج کے لیے اچھی آفر نہیں آرہی۔ وہاں کے لوگوں میں مشہور ہے کہ یہ

haunted ہے۔“

”یقیناً تمہارے بھائی نے مشہور کیا ہو گا۔“

"وہ کیوں مشہور کرے گا، سوزی؟ ہر چیز ماہر نہیں کرتا۔ یہ قوم...." وہ ایک دم زور سے بولا۔ پھر آواز دھیمی کی۔ "یعنی... ترکش قوم... تو ہم پرست ہے۔"

"کیا تم صرف اس لیے پریشان ہو؟" سوزی اپنی قوم کی شان میں تبصرہ نظر انداز کر گئی۔

بیر بل نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"وہ میرا کٹج نہیں ہے، سوزی۔ وہ ماہر کی چیز ہے۔ اس نے اپنی کمائی سے لی ہے۔ میں اس کو بیچ دوں لاء فرم میں انویسٹمنٹ کے لیے؟" اس نے بے بسی سے سردائیں بائیں ہلایا۔ "مجھے برا لگ رہا ہے۔"

"میں جانتی ہوں تمہیں برا لگ رہا ہے۔ کیونکہ تم ایک اچھے انسان ہو۔ تم ہر وقت اپنے بھائی کا سوچتے ہو۔ لیکن کیا تم نے کبھی یہ سوچا، بیر بل... کہ کیا تمہارے بھائی کو تمہارا خیال ہے؟"

بیر بل نے بے اختیار دانت سے نچلا لب کاٹا۔ نگاہیں چھت پہ جمی تھیں۔

"تم مجھے جانتے ہو۔ میرا لائف سٹائل بھی۔ مجھے ان پیسوں کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ تم اپنے لئے کر رہے ہو۔ اپنی عزت کے لیے۔ ماہر نے تمہاری بیکری بناتائے بیچ دی۔ اور بالکل بھی مت کہنا کہ وہ اس کی چیز تھی۔ اتنے برس اس میں محنت تم نے کی۔ ماہر کے پاس زمین کی کمی نہیں تھی بیچنے کے لئے۔ لیکن اس نے وہی کیا جو اسے درست لگا۔ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے بھائی کی نظر میں تمہاری عزت نہیں ہے۔ اور میں چاہتی ہوں کہ میرے شوہر کی سب عزت کریں۔ اس کو کوئی روند کے نہ چلا جائے۔" وہ دھیمی آواز میں آہستہ آہستہ کہہ رہی تھی۔

بیر بل لب کاٹتے ہوئے چھت کو دیکھ گیا۔

"ہماری لاء فرم ان پیسوں کے بغیر بھی چل جائے گی، بیر بل۔ تم اس لاء فرم کے مالک ہو گے۔ میں انویسٹمنٹ کے لیے پیسے اپنی ماما سے مانگ لوں گی۔ مجھے پیسے نہیں چاہئیں۔ پیسہ تو ہاتھ کی میل ہوتا ہے۔ لیکن اگر تم یہ کٹج نہیں بیچو گے تو تمہیں کیسے معلوم ہو گا کہ ماہر تمہاری دل سے عزت کرتا ہے یا نہیں؟"

بیر بل نے سینے پر بازو لپیٹ لیے۔ لب کاٹتے ہوئے سر جھکا لیا۔ اب وہ اپنے پیروں کو دیکھ رہا تھا جو قینچی صورت او تو من پر لمبے کر کے رکھے تھے۔

”ماہر نے یہی کہا تھا نا کہ جو چیز جس کے نام ہوتی ہے، وہ اس کو بیچ سکتا ہے۔ اور اس کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔ کاٹیج کو بیچ کے تم یہ ثابت کرو گے کہ تم اور ماہر برابر ہو۔ ایک عرصے تک تمہارے ابا نے تم دونوں بھائیوں میں فرق کیا ہے اور اس چیز نے تمہاری پرسنالٹی کو بہت حد تک مسخ کیا ہے۔“

بیر بل نے بے اختیار کپٹی مسلی۔ سر میں درد اٹھنے لگا تھا۔

”لیکن اگر تم اپنے بھائی کے ساتھ اپنی برابری کا تعین کر لو گے تو تم دونوں کا ریلیشن شپ مزید بہتر ہو جائے گا۔ تم ایک دوسرے کے برابر آ جاؤ گے۔ پھر تمہیں اس سے یہ گلہ نہیں ہو گا کہ وہ تمہیں کنٹرول کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس میں تمہاری اور ماہر دونوں کی بھلائی ہے۔“ پھر وہ پیچھے ہوئی اور ہلکے سے شانے اچکائے۔ ”ورنہ میرا کیا ہے۔ مجھے یہ پیسے نہیں چاہئیں۔ مجھے صرف اپنے شوہر کی عزت اور اس گھر میں برابری کا مقام چاہیے۔۔۔ بس!“

پھر وہ مسکرائی۔ ”اچھا اب اپنا موڈ ٹھیک کرو۔ میں دکھاتی ہوں میں کون سے ڈریسز لائی ہوں۔۔۔ بلکہ پہن کے دکھاتی ہوں۔“ وہ پر جوش انداز میں کہتی اٹھی تو وہ ہلکا سا مسکرا دیا۔ سر کو جنبش دی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ ایسی ایک صبح تھی جب آسمان سورج نکلنے کے بعد بھی جامنی تھا اور فضا میں خنکی تھی۔ کیف کی عمارت کے اندر ہیٹنگ سسٹم کے باعث گرمائش تھی۔ مالا kitchenette میں داخل ہوئی تو دیکھا ہاٹ پلیٹ کے سامنے کھڑی شبنم کچھ پکار رہی تھی۔ مالانے اپنے پرنٹ شدہ کاغذ ایک طرف رکھے جن میں تازہ انک کی مہک تھی۔ اور اوپری کیبنٹ کھول کے ایک صاف مگ نکالا۔ پھر شبنم کے قریب آئی تو وہ جو موبائل پہ لگی تھی، چونک کے سیدھی ہوئی۔

”مالا؟ اتنی صبح صبح؟“

"ہاں۔ مجھے ماہر سے کام تھا۔ وہ ابھی تک نہیں آیا؟ اور یہ کیا بنا رہی ہو؟" اس کی حیران نگاہیں ہاٹ پلیٹ تک جا رکیں جس پہ ننھے ساس پین میں کوئی شے دھیمی آنچ پہ کھول رہی تھی۔ الاپچی کی خوشبو سارے میں پھیلی تھی۔

"ماہر بے کی کڑک چائے۔"

کشمالہ کے ابرو نا سمجھی سے اکٹھے ہوئے۔ "میں سمجھی وہ صبح میں کافی پیتا ہے۔"

"گھر سے کافی پیتے ہیں اور جس وقت گھر سے نکلتے ہیں، میں ان کی کڑک چائے کھولنے کے لیے چڑھا دیتی ہوں۔ اسی لیے میں آفس سب سے پہلے آتی ہوں۔ جب تک وہ یہاں پہنچیں گے ان کی چائے تیار ہوگی۔ جس دن میں لیٹ آئی اس دن وہ مجھے دروازہ دکھادیں گے۔"

شبّنم سر جھکائے موبائل پہ تیز تیز بٹن دبا رہی تھی۔

خالی مگ پکڑے مالانے جھر جھری لی۔

"کتنا مشکل ہے اتنا high-maintenance باس۔"

شبّنم نے عینک کے پیچھے سے گھور کے اسے دیکھا۔

"نہ صرف high-maintenance بلکہ سائیکو پیچھے بھی۔"

مالا بے اختیار ہنس پڑی۔ شبّنم کا فون تھر تھرانے لگا تو اس نے بے چارگی سے چہرہ اٹھایا۔ "وہ مجھے کال کر رہا ہے۔"

"کون؟ تمہارا موجودہ کرش؟"

شبّنم نے سادگی سے پلکیں دو تین دفعہ جھپکائیں۔

"تم اس سے بات کرو، میں چائے بنا دوں گی۔"

شبّنم کی آنکھوں میں خوشگوار حیرت اتری۔ "تمہیں کڑک چائے بنانا آتی ہے؟"

کشمالہ نے کندھے اچکائے اور خالی مگ ایک طرف رکھا۔

”میں اپنے گھر میں سب سے اچھی کڑک چائے بناتی ہوں۔ مجھے میری ماں نے سکھائی تھی۔ اپنے لیے بھی بنالوں گی۔ جاؤ تم۔“ اسے تسلی دے کر اس نے ایک بڑا سا سین نکالا۔ شبنم کا چہرہ کھل اٹھا۔ ایک ہی سانس میں کئی دفعہ تھینک یو کہہ کے وہ تیزی سے ایک طرف بھاگ گئی۔ اچھا ہے شبنم اس شخص سے بات کر لے۔ چند دن بعد اس نے بلاک ہی ہونا ہے۔

چائے دو mugs میں انڈیل کے اس نے دونوں کو ہاتھوں میں پکڑ لیا۔ ٹرے نہیں رکھی۔ وہ کوئی اس کی سیکرٹری نہیں تھی۔ پھر دونوں مگ اٹھائے وہ ماہر کے آفس تک آئی (جانتی تھی وہ آچکا ہے) اور کہنی سے ڈور ہینڈل گھمایا۔ دروازہ کھلا تو وہ کوٹ اتار کے اسٹینڈ پہ لٹکاتا دکھائی دیا۔ آہٹ پہ مڑا۔ اسے دیکھ کے مسکرایا۔ پھر دونوں مگ دیکھے تو آنکھوں میں تعجب اتر ا۔

”شبنم کہاں ہے؟“

”تمہیں بھی گڈ مارنگ۔“ وہ مسکرا کے آگے آئی تو وہ جلدی سے بولا۔

”صبح بخیر۔“ وہ اس کے بیٹھنے سے پہلے ہی دونوں mugs جگہ پر رکھ کے اپنی کرسی سنبھال چکی تھی۔ ٹانگ پر ٹانگ جمالی اور بازو کے نیچے پکڑا کاغذ میز پر رکھ دیا۔

ماہر نے کھڑے کھڑے اپنا مگ اٹھایا۔ ایک گھونٹ بھرا۔ تاثرات نہیں بدلے۔ مگ نیچے رکھا اور بس سادگی سے اتنا پوچھا۔

”یہ شبنم نے بنائی ہے؟“

مالانے اسی مسکراہٹ کے ساتھ نفی میں سر ہلایا۔

”اس کی کوئی فیملی ایمر جنسی ہو گئی تھی۔ اس لیے میں بنالائی۔“

وہ گہری سانس لے کے کرسی پر بیٹھا۔ تاثرات ابھی تک نہیں بدلے تھے۔

مالا نے بغور اسے دیکھا۔ ”ٹھیک بنی ہے؟“

”It’s perfect.“ وہ ہلکا سا مسکرایا تو وہ بھی مسکرا دی۔ ظاہر ہے وہ خاندان میں سب سے اچھی کڑک چائے بناتی تھی۔

”صبح صبح اپنی بیکری کو چھوڑ کے آپ نے کیف کو رونق کیوں بخشی؟“ ٹیک لگائے ہاتھوں کی انگلیاں باہم پھنسائے وہ اسی مسکراہٹ سے پوچھ رہا تھا۔

”ہماری رینویشن مکمل ہونے والی ہے اور پرسوں سے ہم بیکری کو اوپن کر دیں گے۔ میں نے مینیو میں تبدیلی کی ہے اور ایک نیا پیسٹری شیف ہائر کیا ہے۔“

”اور یقیناً اس پیسٹری شیف کی تنخواہ بھی تمہارا انویسٹر دے گا۔“ ماہر فرید کے حلق میں کڑواہٹ سی گھل گئی۔

”نہ صرف تنخواہیں مگر رینویشن کا سارا خرچہ بھی وہی اٹھا رہا ہے۔“

ماہر نے آنکھوں کی پتلیاں سکیڑ کے بغور اسے دیکھا۔

”تمہیں کس نے ملوایا ہے اس انویسٹر سے؟“

”یہ آئیڈیا مالک فرید کا تھا۔“

ماہر نے اوہ کہہ کے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔

”آف کورس۔ میں جانتا تھا کہ یقیناً مالک نے ہی اپنے کلائنٹس استعمال کر کے کچھ کیا ہو گا۔ لیکن یاد رکھنا،

اس شہر کے انویسٹرز بہت ہی...“

وہ اس شہر کے باسیوں کی شان میں کچھ غیر مہذب کہنے کے لئے مہذب ترین الفاظ تلاش کر رہا تھا جب

کشمالہ نے مگ نیچے رکھا اور پرنٹ شدہ کاغذ ماہر کی طرف دھکیلے۔

وہ ٹھہر گیا۔ پھر کاغذ اٹھائے۔ ایک ایک کر کے انہیں پلٹایا۔ ان پر لکھے تمام ہندسے آنکھوں سے گزارے اور واپس مالا کو دیکھا۔

”یہ کیا ہے؟“

”یہ وہ تمام بلز ہیں جو آپ کو ادا کرنے ہیں، ماہر بے۔“ وہ اسی طرح ٹیک لگائے بیٹھی مسکرا رہی تھی۔

”میں تمہارا انویسٹر ہوں؟ میں؟“ بے یقینی سے سینے پر انگلی رکھی۔

مالا نے گردن اوپر نیچے ہلائی۔

”مالک صاحب کا کہنا تھا کہ تم سے اچھا انویسٹر مجھے کبھی نہیں ملے گا کیونکہ تم نے ہی مجھے اس بیکری میں پھنسایا ہے۔“

اس کے ماتھے پر بل پڑے۔ مٹھیاں ضبط سے بھینچ لیں۔

”اور میں کیوں انویسٹمنٹ کروں گا اس بیکری میں؟“

”تم انویسٹمنٹ کیوں نہیں کرو گے؟“

”مالا...“ وہ سنجیدہ تھا۔ ”میں یہ بلز ادا نہیں کروں گا۔ تم مجھ سے پوچھے بغیر یہ... یہ ساری خریداری اور رینویشن نہیں کروا سکتیں۔ ایسا دنیا میں کہاں ہوتا ہے؟“

”ایک ڈونٹ اور کافی کے بدلے اس دنیا میں کوئی کسی کو بیکری بھی نہیں دیتا، ماہر بے۔“

ماہر نے خفگی سے لب بھینچ لیے۔ چند لمحے اسے گھورتا رہا۔

”میں بالکل بھی یہ بلز نہیں ادا کر رہا۔“

کشمالہ مبین نے مسکرا کے کندھے اچکائے۔

”سوچ لو۔ 535 لیر میں جو بیکری مجھے ملی ہے، وہ 600 لیر میں سوزی اور بیربل کو فروخت بھی کر سکتی ہوں۔ میرا کیا جائے گا... بلکہ... (انگلیوں پہ گنا) 65 لیر کا منافع ہی ہو گا۔ اب تم مجھے بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو؟“ اس نے سادگی سے پلکیں جھپکائیں۔ ”میں یہ بیکری انہیں آگے بیچ دوں...؟ یا تم انویسٹمنٹ کرو گے؟“

ماہر چند لمحے خفگی سے ابرو بھینچے اسے دیکھے گیا۔

”تم مجھے manipulate کر رہی ہو۔“

مالانے پھر سے کندھے اچکائے۔ ہونٹوں سے مسکراہٹ جدا نہیں ہو رہی تھی۔

"Learning from the best."

ماہر فرید نے زیر لب کچھ بڑبڑاتے ہوئے کاغذ اٹھائے اور میز پر رکھی ایک ٹرے میں ڈال دیے۔

”یہ آخری دفعہ ہے۔ اس کے بعد تم کوئی انویسٹمنٹ مجھ سے پوچھے بغیر نہیں کرو گی۔“

”جو ضروری ہو گا وہ میں کروں گی۔ کیونکہ تمہارے برعکس مجھے یقین ہے کہ یہ بیکری چل سکتی ہے۔ اور

ہاں...“ اٹھتے ہوئے اس نے انگلی اٹھا کے تنبیہ کی۔ ”پرافٹ آدھا آدھا۔“

ماہر نے اسی خراب موڈ سے ہاتھ کو گھمایا، جیسے اسے جانے کا اشارہ کیا ہو۔

وہ چلی گئی تو ماہر نے انٹر کام اٹھایا۔

”سوری سر، میری ایک فیملی ایمر جنسی آگئی تھی تو....“

”اپنے فیملی ایمر جنسی سے کہو، آفس ٹائم میں تمہیں کال نہ کیا کرے کیونکہ تمہارا فوکس بٹ جاتا ہے۔“

شبہم چند لمحے کچھ بول نہ سکی۔

”اور آئندہ مالا کو میری چائے مت بنانے دینا۔“

”اوہ... کیا بہت بری تھی؟“

”حد سے زیادہ۔“ اس میں نے برے موڈ کے ساتھ ریسپور کریدل پر پٹخ دیا۔

”میری چائے کے بارے میں کچھ کہہ رہا تھا؟“ وہ شبنم کے ڈیسک پہ کھڑی غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔
شبنم نے چہرے کی مسکراہٹ برقرار رکھتے ہوئے فون آرام سے نیچے رکھا اور مسکرائی۔

”ہاں، کہہ رہے تھے، بہت اچھی بنی تھی۔“

مالاطمانیت سے مسکرا دی۔ اسی وقت کسی کی آمد کا احساس ہوا۔ کن انکھیوں سے وہ دیکھ سکتی تھی کہ لفٹ کے دروازے کھلے ہیں۔ ایک دراز قد وجود، شناسا پر فیوم کی مہک، لانگ بوٹس کی ٹک ٹک۔ زارا اس جانب سے چلتی آرہی تھی۔ سفید کوٹ اس کے کندھوں پر تھا لیکن ایسے کہ بازوؤں میں پہن نہیں رکھا تھا۔ وہ ان دونوں کے قریب رکی۔

”کیسی ہو، شبنم؟“ اس کے شائستگی سے پکارنے پہ شبنم بادل نحواستہ جگہ سے اٹھی۔ مسکرا کے عینک کے پیچھے سے اسے دیکھا۔

”میں ٹھیک ہوں، میم۔ تھینک یو۔“

”میں نے HR میں کسی سے سنا تھا کہ تمہارے بھائی کا کوئی ایکسیڈنٹ وغیرہ ہوا تھا؟“ وہ نرمی سے پوچھتی
شبنم کے کندھے پر ہاتھ رکھ کے کھڑی تھی۔ رخ مکمل شبنم کی جانب تھا۔

”اس بات کو تین ہفتے گزر چکے ہیں۔ اب وہ ٹھیک ہے۔ تھینک یو۔“

زارا چند لمحے تسلی سے وہاں کھڑی شبنم سے اس کی ساری فیملی کا حال احوال پوچھتی رہی۔ اس نے ایک دفعہ بھی مالا کو نہیں دیکھا۔ اسے اپنا آپ وہاں غیر ضروری اور بے وقعت سا لگنے لگا لیکن ایک دم سے پلٹ کے آ جانا بد تہذیبی شمار ہوتا تھا۔ وہ بادل نحواستہ تب تک کھڑی رہی جب تک زارا شبنم کا گال تھپک کے آگے ماہر کے آفس کی طرف نہ بڑھ گئی۔

”مجھے زارینہ خانم سے یہ ہائی اسکول کی mean girls والی حرکت کی توقع نہیں تھی۔“ شبنم کو اب غصہ
آ رہا تھا۔ وہ مالا کا بچھا ہوا چہرہ دیکھ سکتی تھی۔

”چونکہ میں ہائی اسکول میں نہیں ہوں اس لیے مجھے فرق نہیں پڑتا، شبنم۔“ وہ زبردستی مسکرائی اور کندھے اچکا دیے۔ پھر اپنے ڈیسک کی طرف پلٹ آئی۔ سوچا تھا سکون سے بیٹھ کے کچھ حساب کتاب کر لے گی۔ کیونکہ بیکری میں ورکرز کی اٹھانچ اور شور میں وہ کام نہیں کر سکتی تھی۔ لیکن دل زار کی اس حرکت سے عجیب سا ہو گیا تھا۔ کن انکھیوں سے وہ دیکھ سکتی تھی کہ وہ ماہر کے آفس کی طرف گئی ہے اور ابھی تک باہر نہیں نکلی۔

وہ ہمیشہ اس کی زندگی میں موجود رہے گی۔ کسی سائے کی طرح۔

ماہی کی کال آرہی تھی۔ اس نے ایئر پوڈز کانوں میں گھسائے۔

”تم اس وقت کیوں جاگ رہی ہو؟“

”نیند نہیں آرہی تھی۔ سوچا تمہیں کال کر لوں۔“ پھر ماہی کی آواز سنجیدہ ہوئی۔ ”تم ٹھیک ہو؟ تمہاری آواز بھیگی ہوئی لگ رہی ہے۔“

”ہاں ٹھیک ہوں۔ آفس میں ہوں۔“ ناک سے گیلی سانس اندر کھینچی۔

”اور بیکری کا کیا بنا؟“

”اس کو سیٹ کر رہی ہوں تاکہ میرے جانے تک وہ ٹھیک سے چل پڑے۔“

”یعنی تم واپس آؤ گی نا، مالا؟“ ماہی کی آواز میں تشویش تھی۔

”ظاہر ہے میں واپس آؤں گی۔ وین کو ورن میں میرا گھر ہے۔ تم ہو۔ مجھے آنا ہی ہے۔“

”تم نے ماہر کو بتایا...؟ زار کی اصلیت...؟“

مالا نے نفی میں سر ہلایا گو کہ ماہی اسے نہیں دیکھ سکتی تھی۔

”کیا مجھے بتانا چاہیے تھا؟“ اس نے گردن موڑ کے ماہر کے بند دروازے کی طرف دیکھا۔ نہ جانے وہ دونوں اس کے پیچھے کیا بات کر رہے تھے۔

"زارا جانتی ہے کہ میں اس کی حقیقت جانتی ہوں۔ اور وہ تب سے میرے ساتھ برے طریقے سے بی بیو کر رہی ہے۔ پتا نہیں وہ مجھ سے کیا چاہتی ہے۔"

"دیکھو، مالا... میں جو بات کہوں گی وہ پریکٹیکل بھی ہوگی اور سچ بھی۔" ماہی بالکل سنجیدہ تھی۔ "زارا ماہر فرید کا مسئلہ ہے، تمہارا نہیں۔ اور میں ماہر کو بہت پسند کرتی ہوں۔ ہماری ایک ہسٹری رہی ہے۔ بہت مشکلوں موقعوں پہ وہ میرے کام آیا ہے۔ میں دل سے اس کی عزت کرتی ہوں۔ لیکن..."

"لیکن...؟" اس کا دل جیسے ڈوبا۔ اسے ماہی سے ماہر کے بارے میں کسی "لیکن" کی توقع نہیں تھی۔

"لیکن ماہر ایک پیچیدہ انسان ہے اور اس کی زندگی میں بہت سی پیچیدگیاں ہیں۔ جب وہ تمہاری زندگی میں آیا تھا کیف بن کے تو اپنے ساتھ بہت سے مسئلے بھی لے کر آیا تھا۔ زیادہ پہلے دن سے جانتا تھا کہ ماہر فرید کون ہے اور اس کی بہت ساری پلاننگ ماہر کا مقابلہ کرنے کے لیے تھے۔ وہ دونوں تمہاری زندگی میں موجود کسی ان دیکھی جنگ کا حصہ تھے اور تم اس سے واقف نہیں تھیں۔"

"تم کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"یہی کہ ماہر کا تمہاری زندگی میں آنا ہمیشہ پیچیدگیاں لائے گا۔ ہم دونوں جانتے ہیں کہ وہ ایک وقت میں تمہیں پسند کرتا تھا لیکن اس وقت کو گزرے زمانہ بیت چکا ہے۔ میرا نہیں خیال کہ تمہیں اپنی زندگی ماہر کی وجہ سے مزید پیچیدہ بنانی چاہیے۔ اب ہم جانتے ہیں کہ بدر زندہ ہے اور جلد یا بدیر وہ تمہیں مل جائے گا۔ میں چاہتی ہوں کہ تم جتنی جلدی ممکن ہو ماہر کی زندگی سے نکل کے واپس اپنی دنیا میں آ جاؤ۔ کیونکہ تمہارے وہاں رہنے سے نہ صرف تمہاری زندگی مشکل ہوگی بلکہ ماہر کی زندگی کو بھی خطرہ ہے۔ کوئی معلوم نہیں زیادہ جیسی میں آ کے اس کی جان لینے کی کوشش نہ کرے۔"

"اف، ماہی۔ ایسے مت کہو۔"

کسی نے اس کے دل کو مٹھی میں لے کر مسل دیا تھا۔ اس نے بدقت اثبات میں سر ہلایا۔ ماہی کچھ اور بھی کہہ رہی تھی۔ لیکن اس کے ذہن میں کچھ رجسٹر نہیں ہو رہا تھا۔ فون بند کرنے کے بعد کتنی ہی دیر وہ گم صم بیٹھی لیپ ٹاپ اسکرین کو دیکھتی رہی۔ یہاں تک کہ شبنم اس کے پیچھے کھنکھاری تو اس نے چونک کے گردن اٹھائی۔ پھر سر جھٹکا۔ وہ تکان زدہ لگ رہی تھی۔

”قرمزی بلڈنگ والا کام کہاں تک پہنچا؟“ شبنم کی نگاہیں اس کی اسکرین تک اٹھیں۔ پھر وہ چونک گئی۔ وہاں کھلی ویب سائٹ پر نظر پڑتے ہی اس نے بے اختیار مالا کو دیکھا۔

”تم اسکول دیکھ رہی ہو؟ وین کو ور کے اسکولز؟“

مالا نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ”یہ سوچ رہی ہوں کہ جب بدر مجھے مل جائے گا اور ہم واپس چلے جائیں گے تو جلد یا بدیر مجھے اس کو اسکول میں داخل کرانا ہو گا۔ ابھی سے اپلائی کروں گی تو اگلے سال میں جگہ ملے گی۔ اسکولنگ بہت مہنگی ہے اور مجھے اس کے لئے پیسے اکٹھے کرنے ہیں۔“

شبنم نے اسکرین کو دیکھا پھر واپس اسے۔ پھر اسکرین کو۔

”مالا...“ وہ دھیرے سے اپنی کرسی اس کے قریب کھینچ لائی اور جب بولی تو اس کی آواز سرگوشی کی مانند تھی۔

”تم اپنے بیٹے کے ملتے ہی یہاں سے چلی جاؤ گی؟“

مالا نے اسے دیکھے بنا اثبات میں سر ہلایا۔

”اور ماہر بے...؟“

”میرا اس سے کانٹریکٹ صرف دو مہینے کا تھا۔ دو مہینے ختم ہونے والے ہیں۔ اس کے بعد میں تب تک یہاں رہوں گی جب تک مجھے میرا بیٹا نہیں مل جاتا۔ ملے گا تو چلی جاؤں گی۔ یہی پلان تھا۔ ماہر نے ویسے بھی لندن چلے جانا تھا۔“

”لیکن ماہر اور زارا کی منگنی ٹوٹ گئی ہے۔ اب وہ لندن کیوں جائے گا؟ ویسے بھی قرمری عمارت کا بہت کام پڑا ہے۔ میرا نہیں خیال وہ اگلے چند مہینے اس شہر سے نکل سکے گا۔ تم کیا واقعی چلی جاؤ گی؟ ماہر کو چھوڑ کے؟“

اس نے بے بسی سے چہرہ اٹھایا۔ آنکھیں بھگنے لگی تھیں۔

”شبّنم... میرے پاس اس شہر میں رکنے کے لئے کوئی وجہ نہیں ہے۔ میں یہاں سے جانے کے لیے ہی تو آئی تھی۔“

شبّنم کا چہرہ بچھ گیا۔ اس نے منہ بسور کے مالا کو دیکھا۔

”دو ماہ پہلے نہ تم ایسی تھیں نہ ماہر بے۔ وہ بدل گئے ہیں۔ تمہارے آنے سے۔ ان کے گرد ہر چیز بدل گئی ہے۔ ایسا پہلے تب ہوا تھا جب وہ لاہور گئے تھے۔ اور واپس آتے ہی اس آفس میں پودے رکھوا دیے تھے۔“

”پودے؟“

”ہاں یار۔ چھوڑو اس بات کو۔ ہم آفس والے دن کے کئی گھنٹے ان کے ساتھ گزارتے ہیں، مالا۔ ہمیں سب نظر آرہا ہے۔ تمہیں کیوں نظر نہیں آتا؟“

اس نے بہت ضبط سے آنسو اندر اتارے۔ چند گہرے سانس لیے اور جب بولی تو اس کی آواز سنجیدہ تھی۔

”میں نے کہا نا، شبّنم... میرے پاس اس شہر میں رکنے کے لئے کوئی وجہ نہیں ہے۔ نہ ہی میرے اندر اتنی توانائی ہے کہ میں اپنی زندگی کے فیصلے کسی دوسرے انسان کے لیے کروں۔ میرے یہاں آنے سے صرف ماہر کی زندگی ہی پیچیدہ نہیں ہوئی، بلکہ میری بھی ہو جائے گی۔“

”لیکن مالا...“

وہ کن آنکھوں سے دیکھ سکتی تھی کہ ماہر کے آفس کا دروازہ کھلا ہے۔ وہ اور زارا آپس میں بات کرتے ہوئے باہر نکل رہے تھے۔ وہ بار بار گھڑی کو دیکھتا موبائل پہ بٹن دبا رہا تھا۔ دفعتاً اس نے چہرہ موڑا، جیسے مالا کو تلاش کرنے کے لئے دائیں بائیں دیکھا۔ وہ تیزی سے واپس گھوم گئی۔ ایسے کہ اگر وہ دیکھتا بھی تو اسے مالا کے سر کی پشت دکھائی دیتی۔

”لیکن مالا...“

ان کے لفٹ میں سوار ہونے کے بعد شبنم نے دھیمی آواز میں دوبارہ کہنے کی کوشش کی۔ لیکن تب تک وہ اٹھ کے اپنی چیزیں سمیٹ رہی تھی۔

”ان باتوں کا کوئی فائدہ نہیں ہے، شبنم۔ چھوڑو، جانے دو۔“ وہ شبنم کو دیکھے بنا چیزیں سمیٹتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ پلکوں پہ آنسو پھر سے آٹکے تھے۔

وہ ہمیشہ اس کی زندگی میں رہے گی۔ وہ اس کی کزن تھی۔ اس کی فیملی۔ وہ کبھی اس کی زندگی سے نہیں نکلے گی۔ دو ماہ ختم ہوتے ہی وہ بلیت والے اپارٹمنٹ میں واپس چلی جائے گی۔ بدرملے یا نہیں، وہ ماہر کی زندگی میں مزید نہیں رہے گی۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دوپہر کا سورج شہر پہ روشن تھا لیکن بادل اس کو کھل کے چمکنے کا موقع نہیں دے رہے تھے۔ ایک پارک کے کنارے روش پہ ہڈی والا نوجوان چلتا جا رہا تھا۔ کانوں میں ایرپوڈز تھے اور وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے کچھ گنگنا رہا تھا جب اس کے پسندیدہ میوزک میں خلل پڑا۔ Siri نے کان میں اعلان کیا کہ اسے کبیرہ سادان کی طرف سے ایک نیا پیغام موصول ہوا ہے۔ وہ بیچ روش کے ٹھہر گیا۔ ماتھے پہ بل پڑے۔ جیب سے موبائل نکالا اور اسکرین روشن کی۔ پورٹل پہ کبیرہ سادان کا میسج جگمگا رہا تھا۔

”کیا ہم مل سکتے ہیں؟ صرف ایک دفعہ۔ میں تمہیں دیکھنا چاہتی ہوں اور ان باتوں پہ یقین کرنا چاہتی ہوں جو کشمالہ نے مجھے کہیں ہیں۔“

عالیان کے ماتھے پہ پڑے بلوں میں اضافہ ہوا۔ اس روز سے کبیرہ سادان اسے کئی میسج بھیج چکی تھیں۔ اس نے کسی کا جواب نہیں دیا تھا۔ اس پورٹل پہ وہ اسے کال کر سکتی تھیں لیکن صرف تب جب وہ آن لائن ہوتا۔ اس کے پاس کبیرہ کا نمبر موجود تھا لیکن ابھی تک اس نے انہیں کال کرنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ مالانے اسے برا بھنسا یا تھا۔

وہ ایک درخت تلے رکا، تنے سے ٹیک لگائی اور کچھ سوچ کے اپنی فون بک کھولی۔ کبیرہ سادان کا نمبر واٹس ایپ پہ ملایا اور فون جیب میں ڈال دیا۔ کانوں میں لگے ایئر پوڈز پہ گھنٹی جاتے ہوئے سنائی دینے لگی۔ تیسری ہی گھنٹی پہ بے قرار سا ہیلو سنائی دیا۔ وہ شاید کسی غیر شناسا نمبر سے آنے والی کال کی منتظر تھیں۔ عالیاں چند لمحے خاموش کھڑا رہا۔

کبیرہ کا دوسرا ہیلو چونکنا سا تھا۔ جیسے وہ امید اور خوف کے درمیان ہیں۔

”کشمالہ مبین نے آپ سے جھوٹ بولا ہے۔ میں آپ کا کھویا ہوا بیٹا نہیں ہوں۔ آپ یہاں صرف اپنا وقت ضائع کر رہی ہیں۔“

”کیا ہم مل سکتے ہیں؟“ وہ جیسے اسے سن ہی نہیں رہی تھیں۔ بے قراری سے بولیں تو عالیاں کے ابرو بھنچ گئے۔

”اپنا وقت ضائع کرنے کے ساتھ آپ مجھے annoy بھی کر رہی ہیں۔ میں آج سے آپ کو اپنے clientele سے فائر کرتا ہوں۔ اب آپ میری کلائنٹ نہیں رہیں۔ اس لیے نہ مجھے کال کریں نہ مجھ سے کوئی توقع رکھیں۔ میں آپ کو نہیں جانتا نہ میرا آپ سے کوئی تعلق ہے۔“

فون نیچے کیا اور کبیرہ کا نمبر پورٹل پہ بلاک کر دیا۔ اب وہ اسے کال نہیں کر سکے گی نہ اس سے کسی قسم کا رابطہ کر سکے گی۔ اسے قدرے سکون محسوس ہوا۔ جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ پھر سے روش پہ چلنے لگا اور سماعت میں میوزک گونجتا گیا۔ اس موسیقی کی دھن میں بہت سی آوازیں شامل تھیں۔ یادوں کا ایک سمندر تھا جس کے دروازے میں سوراخ تھے۔ اور ہر سوراخ سے جھانکنے پہ ایک نیا منظر دکھائی دیتا تھا۔

وہ چھوٹا سا لڑکا ایک سنگل بیڈ پر بیٹھا تھا اور نگینہ اس کے بالوں میں برش پھیر رہی تھیں۔ ساتھ ہی محبت سے اس کو کچھ کہہ رہی تھیں.....

وہ دونوں ایک کمرے میں چٹائی پہ بیٹھے تھے اور نگینہ چھری سے سیب کاٹ کاٹ کے اس کی پلیٹ میں رکھ رہی تھیں.....

وہ ایک اندھیر درختوں والی سنسان جگہ پہ تنہا بیٹھا تھا۔ اسے خوف بھی آرہا تھا اور چہرے پہ پسینہ تھا۔ ساتھ کسی کی قبر تھی۔ اس نے آنکھیں بند کیں اور وہ پڑھنا شروع کیا جو نگینہ نے بتایا تھا۔ دھیرے دھیرے اس کا خوف جاتا رہا.....

وہ وہیل چیئر پہ تھیں، اور کچھ کہہ رہی تھیں۔ اور وہ لڑکا جس کا قد اب دراز ہو چکا تھا ان کی وہیل چیئر دھکیلے ہوئے ادب سے سن رہا تھا.....

"میری ماں ایک ہی تھی، کبیرہ سادان۔ اور اسے زیاد سلطان نے مار دیا تھا۔ تم اب مجھے claim نہیں کر سکتیں۔" وہ موسیقی سنتے ہوئے تیز تیز چلتا خود سے بڑبڑا رہا تھا۔



زارا کا ارادہ کیف سے اپنا باقی ماندہ سامان لینے کا تھا لیکن مالا کو دیکھ کے اس نے ارادہ بدل دیا۔ وہ چاہتی تھی کہ مالا اسے اور ماہر کو ایک ساتھ باہر نکلتے دیکھے۔ سو وہ ماہر کے ساتھ ہسپتال آگئی۔ کچھ دیر وہ وہاں بیٹھی دوا کو قطرہ قطرہ مالک فرید کے اندر انڈیلے دیکھتی رہی۔ پھر ماہر سے اجازت طلب کر کے واپس کیف کی طرف روانہ ہو گئی۔ ہسپتال کیف سے زیادہ دور نہ تھا۔ چند منٹ کی ڈرائیو تھی۔ ماہر نے البتہ کہا تھا کہ وہ لنچ بریک تک وہیں رہے گا۔ وہ مالک کو تنہا نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔

"بیربل نہیں آیا؟" سورج کی روشنی میں نہائے ویٹنگ روم میں بیٹھے ماہر نے گردن موڑ کے پیچھے کھڑے عمار کو دیکھا جو فوراً قریب چلا آیا۔

"وہ تب آتا ہے جب آپ یہاں نہیں ہوتے۔" عمار جھجھکا۔ پھر اضافہ کیا۔ "وہ مجھ سے پہلے کنفرم کر لیتے ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔" وہ تلخی سے کہہ کے سامنے دیکھنے لگا۔ عمار بھی کین کی کرسی کھینچ کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔ اب خاموشی تھی، کسی مصنوعی چشمے کے گرتے پانیوں کی آواز اور مشینوں کی مدھم مدھم بپ۔ وہ دونوں کتنی ہی دیر بیٹھے مالک فرید کو دیکھتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے اپنے بھتیجے اور وفادار ملازم کی جانب سے کروٹ موڑ لی۔ شاید انہیں ان لوگوں کا کسی تماشے کی طرح ان کو دیکھنا پسند نہیں تھا۔

"مالک صاحب دن میں کئی دفعہ میری بے عزتی کرتے ہیں۔"

"کتنی دفعہ؟"

"جب تندرست تھے تو پانچ دفعہ۔ بیماری کے بعد دو دفعہ۔"

ماہر کے ہونٹوں پہ اداس سی مسکراہٹ ابھر آئی۔ اس نے رخ عمار کی جانب موڑ لیا جو شیشے کی دیوار کو دیکھتے ہوئے بولتا جا رہا تھا۔

"شروع شروع میں میں سوچتا تھا کہ اتنے تلخ لباس کے ساتھ کون گزارا کر سکتا ہے۔ پہلے لگتا تھا شاید انہیں کوئی ڈپریشن ہے۔ پھر سمجھ آئی کہ یہ تو ان کی شخصیت ہے۔ کو کونٹ جیسی۔"

ماہر ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا، گال تلے انگلیاں رکھے، دلچسپی سے اسے سننے لگا۔

"اب میں ان کی پانچ وقت کی بے عزتی کو مس کرتا ہوں۔ جس دن صرف ایک دفعہ ڈانٹیں تو جان لیتا ہوں کہ آج وہ بالکل ٹھیک نہیں ہیں۔"

"ہم اپنی پوری کوشش کر رہے ہیں، عمار۔ مالک ٹھیک ہو جائے گا۔"

"اس ہال میں پندرہ مریض ہیں، ماہر بے۔ آدھوں کو اصل دوا لگی ہے اور آدھوں کو placebo لگایا جا رہا ہے۔" عمار نے اب کے ماہر کو دیکھا تو اس کی آنکھوں میں بے بسی بھی تھی اور دبا دبا غصہ بھی۔

ماہر خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔

”ہم نے مالک صاحب کی زندگی کو ففٹی ففٹی کے چانس پہ چھوڑ دیا ہے، ہمیں چانس نہیں لینا چاہیے تھا۔ ہمیں کچھ کرنا چاہیے تھا۔ یہ کلینیکل ٹرائل ان کی آخری امید تھی۔“

”کیا میں تمہیں چیزیں چانس پہ چھوڑنے والا انسان لگتا ہوں، عمار؟“

عمار ایک لمحے کے لیے سانس نہ لے سکا۔ چونک کے دور مالک کو لگے آئی وی بیگ کو دیکھا۔ پھر ساتھ سے گزرتے نرسز کو۔

اگلے ہی پل جیسے ذہن نے سارا معاملہ بھانپ لیا۔

”واقعی؟“ وہ قدرے جوش سے اونچا سا بولا۔ پھر دائیں بائیں دیکھا اور آواز دھیمی کی۔ چہرہ ماہر کے قریب کیا۔ ”کیا آپ نے ہینڈل کر لیا؟“ جوش سے اس کی آواز کپکپائی۔

”آف کورس۔“ ماہر نے سر کو جنبش دی۔

عمار کے چہرے پہ سرخی سی دوڑ گئی۔ مٹھیاں بھینچ لیں جیسے وہ بدقت ضبط کر رہا تھا۔

”شاید دوا اثر کر جائے۔“ پھر اس کے چہرے پر کچھ بجھا۔ ”یا شاید اثر نہ کرے۔“

”دونوں صورتوں میں، ہم نے کسی چیز کو چانس پہ نہیں چھوڑا، عمار۔ ہم اتنی آسانی سے مالک کو مرنے نہیں دیں گے۔“

شیشے کی دیوار کو دیکھتے ہوئے عمار نے سر ہلایا۔ اس کی پلکوں کے کنارے بھیگ گئے تھے۔

”اور اگر مالک زندگی ہار گیا تو یاد رکھنا، زارا کے پاس ایک سیکرٹری پہلے سے موجود ہے۔“

عمار نے چونک کے گردن موڑی۔ نا سمجھی سے بھنویں اکٹھی کیں۔

”یعنی؟“

”تمہیں مالک کا کوئی حریف صرف اس صورت میں جاب دے گا کہ تم اسے مالک کے کاروباری راز بتاؤ۔ اور تم ایسا نہیں کرو گے۔ یوں مالک کے مرنے کے بعد تم جاب لیس ہو جاؤ گے۔“

عمار آنکھوں میں الجھن لیے اسے دیکھے گیا۔

”اس لیے میں تمہیں گارنٹی دے رہا ہوں کہ مالک کے اس دنیا سے جانے کے بعد بھی میرے پاس تمہارے لئے ہمیشہ جگہ ہوگی۔ تم ہماری فیملی کا حصہ ہو۔ تم ہمیشہ ہمارے لئے کام کرو گے۔“

عمار نے ممنونیت سے سر کو خم دیا۔ لیکن وہ ابھی تک ماہر کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ کئی برس سے ماہر فرید کو جانتا تھا۔ اسے معلوم تھا یہ تمہید تھی۔

”اور؟“ ماہر کی خاموشی پہ عمار پوچھے بنانہ رہ سکا۔

جواب میں ماہر نے کرسی کا رخ موڑ دیا یوں کہ وہ اب عمار کے عین سامنے تھا۔ نگاہیں اس سے ایک پل کے لیے بھی نہیں ہٹ رہی تھیں۔

”اب تم مجھے بتاؤ گے.... کہ مالا مالک سے ملنے کیوں آئی تھی؟“

عمار نے گہری سانس لی۔

”یہ بات مجھ سے زار انے بھی پوچھی تھی کہ کیا وہ آئی تھی؟ مالک صاحب نے اس کو بھی بتانے سے منع کیا تھا لیکن وہ پہلے سے جانتی تھیں کہ مالا آئی تھی۔“

”اور دونوں کے درمیان کیا بات ہوئی؟“ اس نے مالا سے وعدہ کیا تھا کہ وہ مالک سے اس بارے میں نہیں پوچھے گا۔ اور اسے مالک سے پوچھنا بھی نہیں تھا۔ اس کے سایے سے پوچھنا تھا۔

”سچ کہوں تو میں خود بھی نہیں جانتا کہ وہ کیوں آئی تھی۔ میں گھر کے اندر تھا۔ کھڑکیاں ساؤنڈ پر وف ہیں۔ وہ دونوں لان میں بیٹھے چند منٹ باتیں کرتے رہے۔“ عمار آنکھیں چھوٹی کیے جیسے یاد کر کر کے بتا رہا تھا۔

۔ کنکھیوں سے وہ مالک کا آئی وی بیگ دیکھ سکتا تھا جس میں اصل دوا لگائی جا رہی تھی۔

”وہ تھوڑی دیر ہی بیٹھی... مگر کرسی کے کنارے پہ... جیسے بھاگنے کو تیار ہو، جیسے کسی بات سے خوفزدہ ہو۔“

”کیا کوئی اس کا تعاقب کر رہا تھا؟“

”نہیں... یعنی.... جیسے مالک صاحب سے خوفزدہ ہو۔ اس لیے اس نے جلدی جلدی اپنی بات کہی۔ مالک صاحب زیادہ نہیں بولے۔ بس اس کو سنتے رہے۔ پھر وہ تیزی سے اندر کی طرف آئی۔ مجھے دیکھا بھی نہیں مڑ کے۔ جیسے ڈر گئی ہو... اور تقریباً بھاگتے ہوئے گھر سے نکل گئی۔ بس یہی ہوا تھا۔ مالک بے نے مجھے نہیں بتایا کہ وہ کیوں آئی تھی۔“

اس نے ماہر کو وہی بتایا جو وہ جانتا تھا۔ جو اس نے زار کو بھی بتایا تھا۔

”اس کے بعد کیا ہوا؟“ ماہر غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”بعد میں؟“ عمار نے چونک کے اسے دیکھا۔ ”بعد میں یعنی؟“

”مالاکی بات سننے کے بعد مالک نے پہلا کام کیا کیا تھا؟“

عمار بالکل ٹھہر گیا۔

”انہوں نے مجھے بلایا تھا۔ وہ...“ وہ رک گیا۔ اس کی زبان ہکلا گئی۔ ماہر بنا پلک جھپکے اسے دیکھ رہا تھا۔ عمار نے ایک نظر شیشے کی دیوار کو دیکھا، اس آئی وی بیگ کو اور پھر ماہر کو۔

”ماہر بے...“

”بولتے رہو، عمار۔ میں نے کہانا، تم ہمیشہ ہماری فیملی کے ساتھ رہو گے۔“

عمار نے قدرے تامل سے الفاظ جوڑے۔

”وہ مجھ سے اس رقم کے بارے میں پوچھ رہے تھے جو زاراہر مہینے نکلاتی رہی ہے۔“

ماہر ایک دم سیدھا ہوا، ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی۔ آنکھوں میں نا سمجھی تھی۔

”کون سی رقم؟“

”زارا کمپنی اکاؤنٹس سے ہر مہینے ایک مخصوص رقم پچھلے چند ماہ سے نکلوا رہی ہیں۔ مجھے سی ایف او نے انفارم کیا تھا سو میں نے مالک صاحب کو دو تین دفعہ آگاہ کیا کیونکہ مجھے فنانشل رپورٹس بھی دیکھنی ہوتی ہیں۔ آڈٹ کے دوران سی ایف او نے زارا سے پوچھا بھی تھا کہ وہ رقم کہاں گئی۔“

"اور؟"

"انہوں نے کہا کہ اس رقم سے انہوں نے بیگز لیے تھے۔ ان کے پاس تمام رسیدیں تھیں۔ یہ ان کا پرسنل expense تھا اور آپ سب کزنز ایسے expenses کرتے ہیں سو یہ اتنی بڑی بات نہیں تھی۔"

"پھر تم نے یہ بات بار بار مالک کو کیوں بتائی؟ زارا پیسے لے سکتی ہے، اس میں کیا مسئلہ ہے؟"

"کیونکہ....." وہ رکا۔ خشک لبوں پر زبان پھیری۔ "کیونکہ وہ اکثر ملک سے جاتے ہوئے اپنے اپارٹمنٹ کی چابیاں مجھے دے جاتی ہیں۔ سکیورٹی کے لیے۔"

"اور؟"

"اور وہ بیگز ان کے اپارٹمنٹ میں نہیں تھے۔ انہوں نے ہمیں تمام رسیدیں دکھائی تھیں لیکن بیگز کہاں گئے؟ وہ بہت قیمتی بیگز ہیں۔ ہزاروں پاؤنڈز کے۔ ان کے اپارٹمنٹ میں صرف ان کے آٹھ بیگز ہیں جن کی حفاظت کے لیے وہ مجھے ہمیشہ کہتی ہیں۔ مگر نئے بیگز میں نے کبھی نہیں دیکھے۔"

ماہر کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔ عالیان نے مالا کو کچھ بتایا تھا جو اس نے مالک کو بتایا۔ زارا کمپنی سے پیسے لے رہی ہے، یہ بات عالیان کو کیسے معلوم ہوئی؟ اور اگر ہوئی بھی تو یہ ایسی بات نہیں تھی کہ مالا اسے یوں چھپاتی۔ یا مالک سے کہنے سے ڈرتی۔

"کتنی رقم تھی؟"

عمار نے رقم بتائی۔ پھر جھجھکا۔ "مجھے حیرت ہے کہ آپ نے ابھی تک نوٹس نہیں کیا۔"

"نہیں مجھے بھی سی ایف او نے کہا تھا لیکن... وہ اس کے پرسنل ایکپنس تھے۔ وہ کر سکتی ہے یہ۔ اس میں

کوئی ایسی بات نہیں تھی۔" وہ سوچ سوچ کے کہہ رہا تھا۔ "یہ معاملہ کب سے شروع ہوا تھا؟"

”آپ کی منگنی سے چند مہینے پہلے سے۔ وہ رقم ہمیشہ ایک راؤنڈ فلر ہوتا ہے۔ ایک ہی اماؤنٹ ہر مہینے... ایک ہی تاریخ پہ۔ اور وہ کیش لیتی ہیں۔ ایسے جیسے کسی چیز کی قسط ادا کرنی ہو، یا...“ عمار رک گیا۔

”یا جیسے کسی کو retainer پہ ہائر کر رکھا ہو۔“ ماہر بڑبڑایا۔ پرسونلنگ نگاہیں سن روم کے سرسبز گملوں پہ جمی تھیں۔ قریبی کاؤچ پہ ایک بوڑھے میاں بیوی آکے بیٹھ چکے تھے۔ ان کی کم سن بچی یہاں داخل تھی۔

”مالا اور مالک کی ملاقات کے بعد مزید کیا ہوا؟“

عمار نے کندھے اچکائے۔ ”کچھ غیر معمولی نہیں ہوا۔ بس اس رات زارا آئی تھی۔ میں نہیں جانتا کہ مالک صاحب کی اس سے کیا بات ہوئی تھی لیکن وہ واپس جاتے ہوئے رو رہی تھی۔ شاید ان کی آپس میں کوئی لڑائی...“ وہ رک گیا۔ کہتے کہتے چونکا۔ جیسے کچھ یاد آیا ہو۔

”اور ہاں... مالک صاحب نے مجھ سے عالیان کے بارے میں پوچھا تھا۔“

ماہر نے گردن اتنی تیزی سے موڑی کہ ہڈی کے چٹخنے کی آواز آئی۔

”عالیان...؟“

”جی۔ مالا کے جانے کے بعد مالک صاحب نے مجھ سے پوچھا تھا کہ کیا میں کسی عالیان کو جانتا ہوں۔ دراصل عالیان ایک بچہ تھا جو کھو گیا تھا اور....“

”میں جانتا ہوں وہ کون ہے۔ تم اسے کیسے جانتے ہو؟“

”زارا اسے ڈھونڈ رہی تھی نا۔ چند ماہ پہلے ہی زارا نے مجھ سے عالیان کو تلاش کرنے کے لیے کہا تھا۔ میں نے بہت تلاش کیا۔ ایک پرائیویٹ ڈیٹیکٹو بھی ہائر کیا، لیکن بہت سا پیسہ خرچ کرنے کے بعد بھی وہ نہیں ملا۔ پھر زارا نے خود ہی مجھے اسے تلاش کرنے سے روک دیا۔“

سن روم میں اب خاموشی تھی۔ ارد گرد لوگوں کے ہونٹ ہلتے ہوئے دکھائی دیتے تھے لیکن عمار کے سوا سب کی آوازیں بند ہو چکی تھیں۔

”وہ رقم زار نے عالیاں کی تلاش ختم کرنے کے بعد نکلوانی شروع کی تھی؟ یا پہلے؟“

عمار کے ابرو سوچنے والے انداز میں اکٹھے ہوئے۔ ایک لمحے کے لیے دماغ میں حساب کیا۔

”بعد میں۔ بالکل۔ میں کلیئر ہوں۔ بعد میں۔“ پھر اس نے شیشے کی دیوار کو دیکھا اور دوبارہ ماہر کو۔

”ماہر بے، یہ باتیں کوئی اتنا بڑا راز نہیں تھیں جو میں آپ کو نہ بتاتا۔ ان کو بتانے کا مقصد مالک صاحب سے

بددیانتی...“ وہ کچھ کہہ رہا تھا اپنی صفائی میں، اپنی اخلاقیات کے بارے میں۔ لیکن ماہر نہیں سن رہا تھا۔

وہ دھیرے سے کھڑا ہوا، ہاتھ سے اس کا کندھا تھپکا اور آگے بڑھ گیا۔ عمار بھی ساتھ ہی اٹھا۔ وہ پیچھے سے

اسے پکار رہا تھا لیکن ماہر نہیں سن رہا تھا۔ وہ چلتا جا رہا تھا۔

سن روم کے سارے پودے ایک دم سے سیاہ ہو گئے تھے۔ سورج کی روشنی کوئلے کی سیاہی میں بدل گئی

تھی۔ اس کا اٹھتا ہر قدم خلا میں پڑ رہا تھا۔ ذہن شل تھا۔ آنکھیں جھپک رہی تھیں یا نہیں، اس کو نہیں معلوم۔ بس

وہ چلتا رہا تھا۔

کارڈور کے اختتام پر ریسپشن تھی۔

اس کے اختتام پر ایک سنہرا دن۔

اس کے اختتام پر پارکنگ لاٹ۔

اس کے کہیں وسط میں اس کی کار۔

ایک ایک مرحلہ عبور کرنا دشوار تھا۔

اس کا سانس تیز ہو چکا تھا۔

کار میں بیٹھتے ہی اس نے اسٹارٹ کا بٹن دبایا لیکن آج انجن کے حرکت کرنے کی آواز نہ آئی۔ ساری

آوازیں دم توڑ چکی تھیں۔

”کال شبنم۔“ دو الفاظ میں کار کو حکم دیا اور اسے سڑک پر ڈال دیا۔ پارکنگ لاٹ کے کسی کونے سے اردل تیزی سے اس کی جانب بھاگا تھا، لیکن ماہر نے ڈرائیور کا انتظار نہیں کیا۔ وہ ڈرائیور کو دیکھ ہی نہیں رہا تھا۔ چونکہ دوسری چابی اس کے پاس تھی، سو کار آگے بڑھ چکی تھی۔

اسپیکر زپہ رنگ ٹون سنائی دی اور پھر شبنم کی آواز۔

”جی، ماہر بے؟“

”زارا کہاں ہے؟“ اسے اپنی آواز میں غراہٹ محسوس ہوئی۔

”وہ.... وہ اپنے آفس میں ہیں۔ اپنا سامان اکٹھا کر رہی ہیں۔ کیا میں انہیں کال پہ بلاؤں؟“ اس کی آواز نے شبنم کو ایک دم پریشان کر دیا تھا۔

”نہیں، بالکل نہیں۔ اس کو میرے آنے تک وہاں روکے رکھو۔“ کپکپاتی انگلی سے اس نے بٹن دبا دیا۔ کال کٹ گئی۔ اب سامنے سڑک تھی اور اس پر بہت ٹریفک۔ اور اس کے درمیان تیزی سے زگ زیک کر کے کار نکالتا ماہر فرید۔ قریب سے گزرتی گاڑیوں کے ہارن... لوگوں کی اونچی اونچی آوازیں، اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ کبھی دائیں اور کبھی بائیں کار موڑتا آگے بڑھتا جا رہا تھا۔



ہسپتال سے کیف کی عمارت کا سفر کتنا لمبا تھا اسے یاد نہیں۔ درمیان میں کتنی دفعہ اسے ہارن پڑے اور کتنے لوگ کار کے آگے آتے آتے بچے۔ وہ گنتی نہیں رکھ پایا۔ دماغ پہ سرخ دھواں سا چڑھا تھا۔

ایسا دھواں جو اس وقت غالب آتا تھا جب گھوڑے کے مجسمے کے اندر رہنے والا ذی روح اس کے دماغ پہ قبضہ کر لیتا تھا۔

برسوں بعد اسے اپنے اندر وہ ماہر فرید نظر آیا تھا جو کسی کا سردیوار پہ دے مار سکتا تھا۔ جو اپنی بانیک کو فٹ پاتھ پر چڑھا کے خود کو بھی ختم کر سکتا تھا۔

کار کیف کی عمارت کے باہر روکی اور دروازہ اٹھا بند کر کے وہ باہر نکلا۔ اسے اندر داخل ہوتے دیکھ کے ریسپنشنٹ تیزی سے اٹھی۔

”زارا اوپر ہے؟“ وہ غرایا تھا۔

ریسپنشنٹ نے گھبراہٹ کے جلدی سے سر اثبات میں ہلایا۔

ماہر لفٹ کے قریب گیا۔ پھر رکا۔ دیوار پہ سرخ رنگ کا فائر الارم لگا تھا۔ اس نے تیزی سے ساتھ رکھی ننھی کلہاڑی اتاری اور اسے فائر الارم کے شیشے پر دے مارا۔ کرچیاں سی نیچے گریں۔ شیشہ ٹوٹ گیا اور الارم نمایاں ہوا۔ دوسرے ہاتھ سے اس نے زور سے الارم کھینچ دیا۔

عمارت میں زور زور کا بگل بجنے لگا۔ وہ مڑا تو ریسپنشنٹ ہکا بکا سی اسے دیکھ رہی تھی۔

”بلڈنگ خالی کراؤ۔ Fire drill۔“

پھر وہ لفٹ کی بجائے سیڑھیوں کی جانب لپکا۔ تیزی سے زینے پھلانگے۔ آدھے رستے میں ہی انسانوں کا سمندر اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔ ماہر دیوار کے ساتھ ہو گیا مگر زینے چڑھتا گیا۔ فائر الارم مسلسل بج رہا تھا اور لوگ کام چھوڑ کے اپنی چیزیں سنبھالتے حیران پریشان سے نیچے کی طرف دوڑ رہے تھے۔

جب تک وہ ہال میں پہنچا، آدھے سے زیادہ ہال خالی ہو چکا تھا۔ کوئی پوچھ رہا تھا کہ آگ کہاں لگی ہے اور کوئی پوچھ رہا تھا کہ کیا یہ drill ہے۔

”باہر نکلو سب...! آؤٹ...! آؤٹ...!“ ماہر نے اونچی آواز میں دروازے کی جانب اشارہ کیا تھا۔

اور پھر اس نے زارا کو دیکھا۔

دور ہال کے دوسرے سرے پہ... وہ اپنا بیگ اور باکس اٹھائے تیزی سے شیشے کے پنجرے سے باہر نکل رہی تھی۔ ماہر پہ نگاہ پڑی۔ ماہر نے دور سے اسے ہاتھ کا اشارہ کیا۔ تھم جاؤ۔ زارا وہیں رک گئی۔

وہ دونوں ہال کے دو مخالف سروں پہ کھڑے تھے۔ ان کے درمیان بہت سے کیبنز اور بہت سے گھبرائے ہوئے لوگ تھے جو جلدی جلدی اپنی چیزیں سمیٹ کے باہر کو بھاگ رہے تھے۔
زارا باکس لیے پتھر بنی کھڑی تھی۔ اس کی نگاہیں ماہر کے چہرے پہ جمی تھیں۔
وہ بچپن سے اسے جانتی تھی۔ اور وہ اس چہرے کو بھی جانتی تھی۔

باکس اس کے ہاتھ سے گر گیا۔ ہلکی سی دھپ سے قدموں کے قریب زمین بوس ہوا۔ وہ ماہر کے چہرے سے نگاہ نہیں ہٹا پارہی تھی۔ وہ جانتی تھی آگ عمارت میں نہیں لگی۔ اس کی زندگی میں لگی ہے۔ وہ اس چہرے کو پہچانتی تھی۔ ان آنکھوں کے زخمی پن کو بھی۔

وہ جان گیا ہے۔ وہ سب کچھ جان گیا ہے۔

اس کے کندھے ڈھیلے پڑ گئے۔ وہ اپنی جگہ سے نہیں ہل سکی۔

ایک ایک کر کے ہر شخص نیچے بھاگ گیا۔ ہال خاموش ہو گیا۔ فائلز اور کاغذ زمین پر بکھرے رہ گئے۔ کسی کا والٹ گرا تو کسی کا کپ۔

مگر اب ہر طرف خاموشی تھی۔

تب وہ آگے آیا۔ قدم قدم چلتا۔ زارا سے نگاہ ہٹائے بغیر۔ وہ اس کے قریب آ رہا تھا۔ ٹائی ڈھیلی تھی اور گرم کوٹ نہیں پہن رکھا تھا۔ وہ کوٹ ہسپتال میں بھول آیا تھا۔ اس وقت کچھ بھی اہم نہیں تھا۔ کچھ تھا تو بس ماہر کے چہرے پہ ایک تاثر۔

زخمی تاثر۔ غصہ۔ صدمہ۔

وہ بناپلک جھپکائے اسے دیکھ رہی تھی۔ یہاں تک کہ وہ زارا کے آفس کے دروازے تک آکا۔ پھر انگلی سے اشارہ کیا۔

”اندر۔“

کسی معمول کی طرح زارا پلٹی۔ دروازہ کھولا۔ ایک ایک قدم بھاری ہو رہا تھا۔ وہ میز تک آئی۔ پھر ماہر کی طرف گھومی۔ وہ اپنے چہرے پر گیلا پن محسوس کر سکتی۔ نہ جانے پانی کہاں سے نکل رہا تھا؟ آنکھوں سے آنسوؤں کی صورت میں؟ یاد دل سے رستے خون کی طرح؟

”بیٹھو!“ وہ سرخ چہرے کے ساتھ بہت ضبط سے بولا تھا۔

زارا دھیرے سے کرسی پر بیٹھی۔ یہ وہ کرسی تھی جس پر اس کے مہمان بیٹھتے تھے۔ وہ گھٹنے ملا کے کسی مجرم کی طرح اس کرسی پر بیٹھی۔ کپکپاتے ہاتھ گود میں رکھے۔ سر جھکا ہوا تھا۔

ماہر نہیں بیٹھا۔ وہ شیشے کی دیوار کے ساتھ کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ زارا نے لرزتی ہوئی گیلی پلکیں اٹھائیں۔

”اس نے بتایا ہے نا؟ مالانے؟“ اس کی آواز زخمی شیرنی کے جیسی تھی۔

ماہر فرید کے دونوں ابرو بے یقینی سے اٹھے۔

”وہ بھی جانتی تھی؟ کمال ہے!“ اس نے زور سے شیشے کی دیوار پر ہاتھ مارا۔

”میں ایکسپلین کر سکتی ہوں۔“ اس کی آواز کپکپائی۔ بہت سے بہانے، بہت سی توجیہات ہونٹوں تک آئیں، لیکن ماہر کا چہرہ... اس کی سرخ رنگت... اس کی آنکھوں کا طیش، کچھ بھی اسے بولنے نہیں دے رہا تھا۔

”تم عالیان کی کلائنٹ تھیں؟“ وہ غرایا تھا۔ غصے سے۔ بے یقینی سے۔

”عالیان نے مجھے ٹریپ کیا تھا۔ اس نے میرے ساتھ کچھ کیا جس کی وجہ سے...“ وہ آنسوؤں کے درمیان بولنے کی کوشش کر رہی تھی۔

”میں ساری عمران جادو گروں کے خلاف لڑتا رہا اور تم... میری کزن... میری فیملی... تم بھی اس کی کلائنٹ نکلیں، زارا۔“ وہ چاہنے کے باوجود اپنی آواز کو نیچے نہ رکھ سکا۔

”میں کیا کرتی؟“ وہ بے اختیار رونے لگی تھی۔ ”میں تھک گئی تھی تمہاری اٹینشن کے لئے... تمہارے پیچھے بھاگ بھاگ کے... مجھے صرف محبت چاہیے تھی۔ تمہاری محبت۔“

روتے روتے اس کی آواز اونچی ہونے لگی۔

”تم ہمیشہ سے جانتے تھے کہ میں تمہیں پسند کرتی ہوں۔ میں اتنے برس انتظار کرتی رہی کہ تم میرے پاس آؤ گے۔ کیا تمہیں میرا انتظار دکھائی نہیں دیتا تھا؟ کیا تمہیں میری محبت کبھی دکھائی نہیں دی؟ تم ہمیشہ اس موضوع کو بدل دیتے تھے۔ تم ہمیشہ مجھے اوائیڈ کرتے تھے۔ میں نے تم سے کئی دفعہ اس بارے میں بات کرنے کی کوشش کی، لیکن تم نے مجھے جواب نہیں دیا۔“

”نور سپانس بھی ایک رسپانس ہوتا ہے، زارا۔“ وہ زور سے چلایا تھا۔ ”میں نے تمہیں کئی دفعہ بتایا تھا کہ یہ ممکن نہیں ہے۔ پھر تم...“ ماہر نے بے یقینی سے ماتھے کو چھوا۔ ”تم ایک جادوگر کے پاس چلی گئیں؟ میرے لئے؟“

”میں کیا کرتی؟ مجھے نہیں معلوم تھا کہ ایسا کچھ ہو گا۔ اس نے مجھے امید دلائی تھی۔ کہ میں ایک... ایک اچھا کام کر رہی ہوں۔ میں کسی کو ہرٹ نہیں کر رہی۔ مجھے... مجھے نہیں معلوم تھا کہ میں اپنے بابا کو ہرٹ کروں گی۔ مجھے لگا وہ کوئی وظیفہ کرے گا... کوئی... کوئی دعا وغیرہ... مجھے نہیں معلوم تھا میں جادو کر رہی ہوں۔ آئی ایم سوری۔ آئی ایم سو سوری!“

ماہر ایک ہاتھ بالوں میں پھنسائے نفی میں سر ہلاتا کرے میں دائیں بائیں چکر کاٹ رہا تھا۔ چہرہ سرخ تھا اور پسینے سے اس کے بال بھیگ چکے تھے۔ یعنی مالک کی بیماری بھی عالیاں کے جادو کا نتیجہ تھی؟ اوہ خدا یا۔

”آئی ایم سو سوری، ماہر۔ مجھ سے غلطی ہوئی۔ دوبارہ ایسا نہیں ہو گا۔ میں نے اس غلطی کو فکس کرنا چاہا۔ میں نے تمہیں اسی لیے اس رشتے سے آزاد کر دیا۔“

وہ رکا۔ سرخ پڑتی آنکھوں اسے دیکھا۔

”تم نے یہ میرے لئے نہیں کیا۔ مالک کو معلوم ہو گیا تھا۔ یقیناً اسی نے تم پہ زور ڈالا

ہو گا۔ Unbelievable Zara, unbelievable.“

زارا نے بے اختیار کانوں پر ہاتھ رکھ لیے حالانکہ ماہر کی آواز اتنی اونچی نہ تھی۔

”آئی ایم سو سوری۔ آئی ایم سو سوری۔ میں ایسی نہیں ہوں۔ آئی ایم سو سوری۔“ وہ بار بار ایک ہی چیز کسی منتر کی طرح بڑبڑا رہی تھی۔

وہ نفی میں سر ہلاتا دائیں بائیں چکر کاٹتا رہا۔ کسی پنڈولم کی طرح۔ اور وہ آئی ایم سو سوری بولتی گئی۔ شاید وہ مان جائے۔ شاید وہ اسے معاف کر دے۔ شاید وہ دوبارہ اس کی طرف ان نظروں سے نہ دیکھے۔ اس سے منگنی ٹوٹنے کا غم اتنا بڑا نہیں تھا جتنا اس کی زخمی آنکھوں میں دیکھنا تھا۔

”میں اتنے دن تمہاری ہر بات مانتا رہا کیونکہ میں گلٹی تھا۔ مجھے لگتا تھا میں نے تمہارا دل دکھایا ہے۔ مگر وہ سب کچھ ایک دھوکہ تھا۔ ایک الوژن۔ تم زارا... تم میری فیملی تھیں۔ میں ساری عمر جن جادو گروں سے لڑتا رہا، تم بھی ان کی چوکھٹ پر جا بیٹھیں۔“

زارا نے بھیگی آنکھیں اٹھائیں۔ پلکیں جھپکیں۔ دھندلا منظر واضح ہوا۔ ماہر فرید اسے زخمی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ یہ نگاہیں ساری عمر نہیں بھلا سکتی تھی۔

”آئی ایم سوری۔ میں کیا کروں کہ سب ٹھیک ہو جائے؟ تم مجھے بتاؤ۔ میں کروں گی۔ جو تم کہو گے۔ آئی ایم سو سوری۔ وہ مجھے بلیک میل کر رہا تھا... ابھی بھی... مگر میں اس کی بلیک میلنگ میں نہیں آئی۔“

ماہر نے ہاتھ اٹھا کے اسے روک دیا۔ زارا کی زبان کو بریک لگا۔ اب وہ گھوم کے میز کے پیچھے گیا۔ زارا کی خالی پاوریٹ تک۔ وہاں رکھا ایک نوٹ پیڈ اٹھایا۔ زور سے قلم ہولڈر میں سے کھینچا اور میز کے سامنے آیا۔ قلم اور نوٹ پیڈ اس کی گود میں پٹخ کے رکھا۔

”لکھو!“

زارا نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔ پھر چہرہ نوٹ پیڈ پہ جھکایا۔ دو آنسو ٹپک کے کاغذ پر گرے اور گیلے داغ چھوڑ گئے۔

”کیا لکھوں؟“

”ہر اس جگہ کا نام جہاں تم اس سے ملی ہو۔ اس شہر میں۔ لکھو۔“

زارا قلم ہاتھ میں لیے چند لمحے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔ آنسو تھوڑی سے ٹپک ٹپک کے کاغذ کو بھگور رہے تھے۔

”زارا، اگر تم چاہتی ہو کہ ہم ایک دوسرے کی شکل دیکھنے کے قابل رہ جائیں تو وہ لکھو جو میں کہہ رہا ہوں۔ ورنہ یہاں سے چلی جاؤ۔“

زارا نے چہرہ جھکایا۔ بائیں ہاتھ سے آنکھیں صاف کیں۔ بھیکا کاغذ پھاڑ کے پھینکا اور صاف کاغذ پر قلم کی نوک رکھی۔

اس نے فیصلہ کرنے کے لیے ایک لمحہ بھی نہیں لیا تھا۔

زارا نے چہرہ جھکایا۔ بائیں ہاتھ سے آنکھیں صاف کیں۔ بھیکا کاغذ پھاڑ کے پھینکا اور صاف کاغذ پر قلم کی نوک رکھی۔

اس نے فیصلہ کرنے کے لیے ایک لمحہ بھی نہیں لیا تھا۔

وہ دائیں ہاتھ سے لکھتی گئی اور بائیں سے بار بار آئے آنسو صاف کرتی گئی۔ چند قطرے پھر بھی اس کاغذ پر جا گرے لیکن وہ اس کے لکھے الفاظ کو بھگو نہیں سکے۔ ایک فہرست سی بنتی گئی۔ آخر میں اس نے قلم اور نوٹ پیڈ ماہر کی طرف بڑھا دیا۔

”میں نے کوئی جگہ نہیں چھوڑی۔ یہ وہ تمام جگہیں ہیں جہاں اس شہر میں، میں اس سے ملی ہوں۔“

ماہر نے کاغذ نوچ کے پھاڑا، اونچا کر کے دیکھا، ان تمام جگہوں پہ ایک نگاہ دوڑائی۔ پھر کاغذ نیچے کیا تو دیکھا، وہ امید اور خوف کے درمیان بھیکے چہرے کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی۔

”تم اسے نہیں بتاؤ گی کہ تم یہ سب مجھے بتا چکی ہو۔“

زارا کی آنکھوں میں زخمی پن ابھرا۔

”ماہر، میرا اس سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔ وہ خود فون کر کے مجھے بلیک میل...“

ماہر نے ہاتھ اٹھا کے اسے بولنے سے روک دیا۔

”مجھے تمہاری کسی بات پہ یقین نہیں ہے لیکن...“ اس نے انگلی اٹھا کے تنبیہ کی۔ ”اگر اس گفتگو کے بارے میں تم نے اسے بتا دیا تو میں جان جاؤں گا۔ اور تم ساری عمر بیر بل اور میری شکل نہیں دیکھو گی... نہ ہی فرید ہولڈنگ کی۔“ کاغذ مٹھی میں دبائے وہ پلٹا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔ فائر الارم ابھی تک زور زور سے بج رہا تھا۔ زارینہ فرید اسی طرح نڈھال سی کر سی پر بیٹھی رہ گئی تھی۔ اس کا ذہن اس وقت سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ لیکن ایک خیال کسی سانپ کی طرح اندر پھنکار رہا تھا۔

کشمالہ... یہ سب کشمالہ مبین نے کیا تھا۔

اس کی زندگی کو آگ کشمالہ مبین نے لگائی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پولیس کمشنر چنگیز کے آفس کی کھڑکی آج بھی کھلی تھی لیکن اس کے باوجود فضا میں باسی سگریٹوں اور سستے کولون کی مہک کم نہ ہو سکی تھی۔ اس آفس میں اس وقت کوئی بھی کر سی پر نہیں بیٹھا تھا۔ ماہر دائیں بائیں چکر کاٹ رہا تھا۔ بار بار نفی میں سر ہلاتا، دانت سے نچلا لب کاٹتا۔ چنگیز دیوار کے ساتھ کھڑا بڑی اسکرین پر پنسل سے دائرے لگا رہا تھا۔ ہاتھ میں پکڑی لسٹ سے رک رک کے پڑھتے ہوئے وہ ایک ایک دائرے کا اضافہ کرتا گیا۔

اسکرین پہ شہر کا نقشہ بنا تھا۔ اس کا ماتحت آفیسر دوسرے کونے میں مودب سائٹیلٹ پکڑے کھڑا تھا۔ آخری دائرہ لگا کے چنگیز نے دوا انگلیوں سے دیوار گیر اسکرین کو زوم کیا۔ پھر پلٹ کے ماہر کو دیکھا جو اسی طرح دائیں بائیں بے چینی سے چل رہا تھا۔

”کیا گارنٹی ہے کہ ان جگہوں پہ عالیاں کو دیکھا گیا ہے؟“

ماہر نے رک کے اسے دیکھا۔

”اپنے سورس کا نام نہیں بتا سکتا لیکن وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ان جگہوں پہ وہ اپنے کلائنٹ سے ملتا رہا

ہے۔“

چنگیز نے ماتحت کو آنکھ سے اشارہ کیا۔ وہ سر کو ادب سے خم دیے اٹھے قدموں باہر نکل گیا۔

دروازہ بند ہوا اور فضا میں خاموشی اور سگریٹ کی مہک باقی رہ گئی تو چنگیز اس کے سامنے آیا۔ پینسل رکھ کے اب وہ جیب سے ایک تازہ پیکٹ نکال رہا تھا۔

”میں نے زیادہ کے بارے میں بھی پتا کروایا تھا۔“

پندولم کی طرح چکر کاٹتے ماہر کے قدم رک گئے۔ تیزی سے مڑ کے اسے دیکھا۔

”پھر...؟“

”اٹیلی جنس کمیٹی میں کام کرنے والے ایک آفیسر نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ زیادہ واقعی ان کے ساتھ کام کر رہا ہے۔ وہ کانفیڈنشل انفارمنٹ ہے۔ کب، کہاں اور کس نوعیت کا کام، یہ وہ نہیں بتا سکتا۔ لیکن اس سے زیادہ کی کہانی کی تصدیق ہوتی ہے۔ شاید وہ واقعی بدل گیا ہو اور اب اپنی زندگی کو درست راستے پر لانے کی کوشش کر رہا ہو۔“

ماہر فرید کے چہرے پر استہزائیہ مسکراہٹ ابھری۔

”وہ نہیں بدل سکتا۔ مگر خیر... کون سا آفیسر ہے یہ؟“

”ہے ایک آفٹ نما آفیسر۔“ چنگیز بات گول کرنے کے انداز میں پلٹ گیا۔

”آفٹ علاؤالدین؟ ہے نا؟ میں اسے جانتا ہوں۔ اس کا بیٹا میرے جم میں جاتا ہے۔“ وہ سمجھ کے سر جھٹکتا

اسکرین کی طرف چلتا آیا۔ قریب آنے پہ اسکرین کی نیلی روشنی اس کے چہرے اور شرٹ پہ پڑنے لگی۔

”تمہیں واقعی یقین ہے کہ عالیاں ان جگہوں پہ تمہارے سروس سے ملتا رہا ہے؟“

چنگیز اس کے کندھے کے ساتھ کھڑا سگریٹ سلگا رہا تھا۔ نیلی روشنی ماہر کی سفید شرٹ کو نیلا اور چنگیز کی

سیاہ ویسٹ کو سرمئی دکھا رہی تھی۔

”اگر وہ واقعی کہ ان جگہوں پر اپنے کلائنٹ سے ملتا ہے تو نوٹ کرو...“ چنگیز نے بازو لمبا کر کے اسکرین پہ نادیدہ دائرہ کھینچا۔ ”یہ تمام جگہیں پانچ کلومیٹر کے radius میں آتی ہیں۔ ایک دائرے کی صورت میں۔“

”میں بھی یہی دیکھ رہا ہوں۔ وہ اپنے کلائنٹ سے صرف اسی علاقے میں ملتا ہے۔ مگر کیوں؟“

”کیا وہ کلائنٹ اسی علاقے میں رہتا ہے؟ شاید عالیان اس کی آسانی چاہتا ہو۔“

”نہیں... میرا سورس یہاں سے بہت دور رہتی... رہتا ہے...“

”ہوں، انٹر سٹنگ۔ یعنی ہمارا جادو گر اپنی آسانی کے لیے اس علاقے کا انتخاب کرتا ہے۔ شاید وہ یہیں رہتا ہے۔“

”اور اس کے پاس کار نہیں ہے۔“ ماہر اسکرین کو دیکھ کے بڑبڑایا۔ ”یہ تمام جگہیں ایک دوسرے سے پانچ سے دس منٹ کی ڈرائیو پہ ہیں اور وہ پبلک ٹرانسپورٹ استعمال کرتا ہے۔ ایک بس میں بیٹھتا ہے اور اگلی سے اتر جاتا ہے۔“

”پبلک ٹرانسپورٹ سے وہ شہر کے دوسرے کنارے پر بھی جاسکتا ہے، ماہر۔ اسے اپنے رہائشی علاقے میں ہی کلائنٹ کو بلانے کی کیا ضرورت ہے؟“

اور یہیں آ کے اس کا ذہن پھنس گیا تھا۔ وہ کچھ دیر سوچتی نظروں سے اسکرین کو دیکھے گیا۔

”کیونکہ اسے واپس پہنچنے کی جلدی ہوتی ہے۔“ پھر وہ چونکا۔ ”یعنی وہ اس علاقے میں نہیں رہتا۔ وہ یہاں....“

”وہ یہاں کام کرتا ہے۔“ چنگیز جوش سے بولا۔ ماہر کے چہرے پہ پہلے دفعہ مسکراہٹ ابھری۔

”اس کی کوئی ڈے جاب ہے۔ اپنا کور قائم رکھنے کے لیے۔“

”اتنے بڑے جادو گر کو جاب کی کیا ضرورت ہے؟“

"آج کل ایسے جادوگر عموماً plain sight میں چھپے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایسے کہ کوئی ان پہ شک نہ کر سکے۔ وہ یقیناً کہیں جاب کرتا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ کہاں؟"

چنگیز نے اسکرین کو انگلیوں کی چٹکی سے زوم کیا۔ اس دائرے کے وسط میں ایک عمارت کا نام واضح دکھائی دے رہا تھا۔

"یہ ایک coworking space جو اس علاقے کے بالکل وسط میں ہے۔ اور یہ تمام جگہیں جہاں وہ کلائنٹ سے ملتا رہا ہے، اس coworking space سے دس منٹ کی واک پہ ہیں۔ وہ یقیناً یہاں کام کرتا ہے۔ اس coworking space میں۔"

"کوورکنگ اسپیسز میں عموماً فری لانسرز کام کرتے ہیں، چنگیز۔ اپنا اسٹارٹ اپ رن کرنے والے۔"

"یعنی؟"

"اگر وہ اپنے لیے کام کرتا ہے تو اسے واپس پہنچنے کی جلدی کیوں ہوتی ہے؟" ماہر نے نفی میں سر ہلایا۔ "وہ کسی اور کے لیے جاب کرتا ہے۔ اگر میں ایسا جادوگر ہوتا تو ایسی جگہ کا انتخاب کرتا جو خاموش ہو۔ پرسکون ہو۔ جہاں روشنیوں سے زیادہ اندھیرے ہوں۔ جہاں میں یکسوئی سے نادیدہ کام کر سکوں۔ جیسے کہ..."

اس نے انگلی نقشے کے وسط میں رکھی۔

چنگیز نے اس کی انگلی کے تعاقب میں دیکھا۔

لابیریری۔

"لابیریری۔" چنگیز کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ وہ تیزی سے فون کی طرف بڑھا۔ ساتھ ہی وہ اپنے ماتحت کو اونچی آواز سے پکار رہا تھا۔

"مجھے اس لابیریری میں کام کرنے والے تمام ایمپلائز کی فہرست چاہیے۔ ساتھ ہی میں بیک اپ کے ساتھ اس لابیریری کی طرف جا رہا ہوں۔ اگر وہ واقعی یہاں کام کرتا ہے تو اسے بھاگنے کا موقع نہیں ملنا چاہیے۔"

ماہر ابھی تک اسکرین پہ بنے نقشے میں لابیریری کے icon کو دیکھ رہا تھا۔

یہ وہی لائبریری تھی جہاں اکثر ہلال جایا کرتی تھی۔

اس کے اندر کچھ مضطرب سا کروٹیں بدلنے لگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

لائبریری کا وہ کونا ہمیشہ کی طرح نیم تاریک اور پرسکون تھا۔ میز پر لیپ ٹاپ رکھے، کانوں میں ہیڈ فونز لگائے بیٹھا عالیان لیپ ٹاپ کی کیز دبا رہا تھا جب کسی احساس کے تحت اس نے چہرہ اٹھایا۔

سامنے سے چند باوردی پولیس اہلکار چلتے آرہے تھے۔ زرد رنگت اور بھورے بالوں والی لائبریرین ان کے ساتھ تھی۔ عالیان کی سمت میں بازو لمبا کر کے اس نے اشارہ کیا۔ وہ تیزی سے اس کی جانب لپکے۔ سب سے آگے سادہ لباس والا پولیس کمشنر چنگیز تھا۔

عالیان سادان نے پہلے دائیں کان سے ایئر پوڈ نکالا۔ پھر بائیں کان سے۔ پھر انہیں ان کی ڈبی میں ڈالا۔ لیپ ٹاپ اسکرین فولڈ کی اور ٹیک لگا کے تسلی سے انہیں آتے دیکھتا رہا۔

وہ اس کے قریب آئے۔ دو اہلکاروں نے اپنے اسلحے پر ہاتھ رکھا ہوا تھا جیسے الرٹ ہوں۔ اور سیاہ ویسٹ والا پولیس کمشنر اسے گھورتا ہوا عین اس کے سر پہ پہنچا اور اپنا چمکتا ہوا بیج لہرایا۔

”عالیان سادان یا پھر...“ چنگیز نے اس کی گردن میں جھولتے لائبریری کے کارڈ کو دیکھا جس پر اس کا نام عالیان خان درج تھا۔ ”آپ کو ہمارے ساتھ پولیس اسٹیشن چلنا ہو گا۔“

”کس سلسلے میں؟“ کرسی پر بیٹھے نوجوان نے اطمینان سے پوچھا۔

”یہ بات ہم پولیس اسٹیشن چل کے کریں گے۔“

”تو آپ مجھے کال کر دیتے، پولیس کمشنر صاحب۔“ عالیان کی آنکھیں اس کے بیچ پہ دوڑیں۔ پھر واپس اس کی آنکھوں تک آئیں۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

”میں خود آجاتا۔ اتنی بھاری نفری لے کر یہاں آنے میں tax payers کا کتنا پیسہ خرچ ہوا ہوگا۔ اور پولیس کارز سے پھیلتی آلودگی۔ چیچ چیچ...“ وہ افسوس سے سر ہلاتا اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر لیپ ٹاپ اور ایئر پوڈز کی طرف اشارہ کیا۔

”کیا انہیں بھی آپ ساتھ لے کر جائیں گے، یا یہ میں لا بیری میں رکھ سکتا ہوں؟“

چنگیز نے اسے گھورتے ہوئے ابرو سے اپنے ماتحت کو اشارہ کیا۔ اس نے تمام چیزیں اپنے قبضے میں لیں۔ عالیان نے کندھے اچکائے اور سامنے کی طرف اشارہ کیا۔

"After you."

اور میز کے پیچھے سے نکل کے ان کے ساتھ چلنے لگا۔ اس کی گردن اٹھی ہوئی اور کندھے بالکل سیدھے تھے۔

چنگیز جس جوش کے ساتھ لا بیری میں داخل ہوا تھا اور اپنے مطلوبہ شخص کو دیکھتے ہی اس کے چہرے پہ جو فاتحانہ چمک آئی تھی، اب وہ مدہم ہو چکی تھی۔

کچھ تھا اس نوجوان میں جو اسے بے بس محسوس کروا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

”پولیس نے عالیان کو گرفتار کر لیا ہے۔ وہ لاک اپ میں ہے۔ میں پولیس اسٹیشن میں ہوں۔ اردل تمہیں یہاں لے آئے گا۔“

وہ کچن میں کھڑی سنک صاف کر رہی تھی جب اسے ماہر کا آڈیو پیغام ملا۔ ڈٹرجنٹ کی بوتل اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ اسپنج گر گیا۔ داستانے کہاں پھینکے، اسے یاد نہیں۔ بدقت اس نے جوتے پہنے، کوٹ اٹھایا، پرس کندھے پر اڑسا اور باہر کو بھاگی۔ ماہر کا ڈرائیور نیچے اس کا انتظار کر رہا تھا۔

چنگیز نے اسے شیشے کی یک رویہ اسکرین کے پیچھے سے عالیان کو دیکھنے کا موقع دیا تھا۔

وہ ایک نیم تاریک کمرے میں کرسی پر ٹیک لگا کر بیٹھا تھا۔ پاؤں لمبے کر کے میز کے نیچے سے دوسری کرسی پر جمارکھے تھے اور دائیں بائیں گردن گھماتا اطراف کا جائزہ لے رہا تھا۔ آئینہ یک رخ تھا۔ عالیان انہیں نہیں دیکھ سکتا تھا مگر وہ اس کو ٹھیک ٹھیک دیکھ سکتے تھے۔

”یہی ہے۔“ مالانے دیکھتے ہی اثبات میں سر ہلایا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ ایسے کہ ابھی سینہ توڑ کے باہر آجائے گا۔

”یہ وہی نوجوان ہے جو مجھ سے ملا تھا۔ اسی کے پاس میرا بیٹا ہے۔“ اس نے بے چینی سے چنگیز کی طرف چہرہ موڑا۔

”اب کیا ہو گا؟“

”ہمارے پاس کوئی ٹھوس وجہ نہیں ہے اس نوجوان کو گرفتار رکھنے کی۔“ چنگیز مالاک کی طرح پر جوش نہیں تھا۔ اس کا انداز قدرے دھیمہ تھا۔

”میں زیادہ سے زیادہ اس کو چوبیس گھنٹے کے لئے لاک اپ میں رکھ سکتا ہوں۔ اس کے بعد مجھے اس کو چارج کرنا پڑے گا یا چھوڑ دینا ہو گا۔“

”وجہ کیسے نہیں ہے؟ اس نے میرے سامنے اعتراف کیا تھا کہ...“

”اس اعتراف کا کوئی ثبوت نہیں ہے، کشمالہ حانم۔ میوزیم کے سی سی ٹی وی فوٹیج میں عالیان کا چہرہ ٹھیک سے دکھائی بھی نہیں دے رہا۔ اور اس کا وہاں آپ سے ملنا یہ ثابت نہیں کرتا کہ اس نے واقعی آپ کو وہی باتیں کہی تھیں جن کا آپ دعویٰ کر رہی ہیں۔“

مالانے سینے پر بازو لپیٹ لیے اور ناگواری سے لب بھینچے چنگیز کو دیکھے گئی۔

”ہم نے اس لڑکے کے تمام ڈاکو منٹس چیک کیے ہیں۔ اس کا نام عالیان خان ہے۔ اس کے تمام کاغذات پورے ہیں۔ یہ ایک لائبریری میں کام کرتا ہے۔ آن لائن کلاسز لے رہا ہے۔ اس کے لیپ ٹاپ اور موبائل سے بھی کوئی ایسی چیز برآمد نہیں ہوئی جو اس کا اس کیس سے تعلق ظاہر کرے۔ سوائے...“ وہ ٹھہرا۔

مالا کا سانس رکا۔

”سوائے اس کے کہ اس نے اپنے انسٹاگرام سے میرا بل فرید کو کئی دفعہ اسٹاک کیا ہے۔“

ماہر نے چونک کے اسے دیکھا۔ پھر واپس چہرہ موڑ کے شیشے کی دیوار کے پار نظر آتے عالیاں کو دیکھے گیا۔

”لیکن وہ پورٹل... وہ ڈارک ویب... وہ طریقے جن سے وہ مجھے کال کرتا ہے... وہ نمبرز...؟“

”اس کے پاس سے جو فون اور لیپ ٹاپ برآمد ہوا ہے وہ کلین ہے۔ یا تو اسے پہلے سے معلوم تھا کہ ہم

اس کی تلاش میں آرہے ہیں، اور اس نے ہمارے آنے سے پہلے ہی اپنا اصل لیپ ٹاپ اور فون کہیں چھپا دیا تھا۔“

مالا نے بے اختیار ماتھے کو چھوا۔ جیسے اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

ماہر دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا خاموشی سے ان دونوں کو باتیں کرتا دیکھے گیا۔ اس نے ابھی تک کوئی

تبصرہ نہیں کیا تھا۔ اس نے ایک خاکی رنگ کا گرم کوٹ پہن رکھا تھا جو اس نے اردل سے کہہ کے گھر سے منگوا

تھا۔

”ہم نے اس کے بتائے گئے ایڈریس پہ موجود اس کے گھر کا بھی جائزہ لیا ہے۔ وہ ایک کمرے کے فلیٹ

میں بہت کسمپرسی کی حالت میں رہتا ہے۔ اس کے فلیٹ سے کوئی ایسی چیز نہیں ملی جو اس کے اور بدر کے درمیان

تعلق ظاہر کرے۔ یا اس کے جادوگر ہونے کو ثابت کرے۔“

”لیکن اس نے میری آنکھوں میں دیکھ کے کہا تھا کہ میرا بیٹا اس کے پاس ہے۔“

”اور یہ ثابت کرنے کے لیے ہمارے پاس صرف چوبیس گھنٹے ہیں جن میں سے پانچ گھنٹے گزر چکے ہیں۔“

چنگیز نے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی اور چہرہ اٹھایا تو اس پہ قدرے مایوسی تھی۔ ”میرے آفیسر ز کافی دیر اس کے

ساتھ مغز ماری کر چکے ہیں۔ لیکن یہ لڑکا بہت ڈھیٹ ہے۔ ہر چیز سے انکاری ہے۔ اور ہم کچھ بھی ثابت نہیں کر

سکتے۔ اس کے پاس سے یہ چیزیں ملی ہیں۔ ایئر پوڈز۔ والٹ۔ بینک کارڈ۔ کرنسی۔ اور....“ چنگیز ٹھہرا۔ ایک

پلاسٹک کاپیکٹ اٹھا کے ان کے سامنے رکھا۔ ماہر دیوار چھوڑ کے ان کے قریب آیا۔

"اور یہ شیشے کی نلی۔" چنگیز نے قدرے تعجب سے پیکٹ میں موجود نلی نکالی۔ مالا کی آنکھوں میں اچھنبہا ابھرا۔

"کیا یہ چیز جادو وغیرہ میں استعمال ہوتی ہے؟"

"یہ گلاس اسٹرا ہے، کو مسار بے۔" ماہر کے ہونٹوں پہ استہزایہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ چنگیز نے تعجب سے اسے دیکھا پھر نلی کو۔

"کوئی نارمل انسان جیب میں گلاس اسٹرا لے کر کیوں گھومے گا؟"

ماہر نے جواب دینے کی بجائے اپنے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور اس سے ملتی جلتی ایک شیشے کی نلی نکال کے چنگیز کے سامنے کی۔

چنگیز کے چہرے پہ بدمزگی پھیلی۔

"ایک پلاسٹک اسٹرا سے ماحول کو کتنا ہی نقصان پہنچ سکتا ہے؟ ہو نہ۔" اس نے نلی واپس پیکٹ میں ڈال دی۔ ایک تو یہ environmentalists اس کی سمجھ سے باہر تھے۔ گلاس اسٹرا لے کر گھر سے نکلتے۔ پلاسٹک کے کپ میں کولڈ کافی یا ڈرنک لیتے مگر پلاسٹک کا اسٹرا استعمال کرنے سے انکار کر دیتے۔ ہو نہ۔ بھرے پیٹ کے مسئلے۔

"کیا میں اس سے بات کر سکتی ہوں؟" وہ بے چینی سے پوچھ رہی تھی۔

"Be my guest" چنگیز نے شانے اچکا دیے۔ وہ اب جیسے اکتانے لگا تھا۔ جب سے یہ نوجوان تھانے میں آیا تھا سارے ماحول کی فضا عجیب سی ہو گئی تھی۔

چنگیز کے جانے کے بعد وہ ماہر کی طرف مڑی۔

"پولیس کو کیسے معلوم ہوا کہ عالیان کہاں...؟" اس کی بات ابھی درمیان میں تھی کہ ماہر پورا اس کی طرف گھوما۔

”تم جانتی تھیں زار کے بارے میں...؟ اور تم نے مجھے نہیں بتایا...؟“

مالا چند لمحے کے لئے کچھ بول نہیں سکی۔

”زار نے اس کی لوکیشن بتائی ہے؟“ اسے یقین نہیں آیا تھا۔

”میں کچھ اور پوچھ رہا ہوں، مالا۔“ اس کے چہرے پہ زخمی پن تھا۔

”یہ میرا راز نہیں تھا۔“

”لیکن اگر تم اس راز کو پہلے کھول دیتیں تو ہم اس کے پاس پہلے پہنچ جاتے۔ اب تک شاید وہ تمام ثبوت مٹا چکا ہو۔“ ماہر نے خفگی سے چہرہ موڑ لیا۔

”تم مجھے زارا والے معاملے کے لیے مورد الزام نہیں ٹھہرا سکتے۔ میرے حق میں اس کا راز کھول دینا بہتر تھا۔ لیکن اگر میں نے اپنی بہتری نہیں چنی تو تمہیں سمجھ جانا چاہیے کہ میں ایسا کیوں کر رہی تھی۔“ وہ سنجیدگی سے کہہ کے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ کم از کم آج کے دن وہ ماہر فرید سے کسی قسم کی بحث نہیں کرنا چاہتی تھی۔

اس وقت اس کا سب سے بڑا مسئلہ اس کے سامنے بیٹھا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نیم روشن کمرے کی چھت سے ایک بلب جھول رہا تھا۔ میز کے گرد تین کرسیاں رکھی تھیں۔ ایک طرف عالیان بیٹھا تھا، ٹیک لگائے چمکتی آنکھوں سے مسکراتا ہوا۔ باری باری سامنے بیٹھے دونوں نفوس کو دیکھتا ہوا۔

دوسری جانب وہ دونوں تھے۔ ماہر ٹیک لگائے ہوئے تھا۔ بالکل خاموش۔ اس کی نگاہ ایک لمحے کے لیے بھی عالیان سے نہیں ہٹی تھی۔ اور مالا کہنیاں میز پر جمائے آگے کو ہوئے بے چینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”کھیل ختم ہو چکا ہے، عالیان۔ تم پولیس کی کسٹڈی میں ہو۔ کیا تم اب بھی نہیں بتاؤ گے کہ میرا بیٹا کہاں

ہے؟“

”اگر مجھے معلوم ہوتا تو میں ضرور بتاتا۔ کیا ہوا تمہارے بیٹے کو؟“ وہ قدرے حیرانی اور ہمدردی سے پوچھنے لگا۔ ایک گال تلے تین انگلیاں رکھے وہ بالکل پرسکون بیٹھا تھا۔

”تم صرف ایک راز کھولنے کے بدلے بدر کو میرے حوالے کرنے پر راضی تھے۔ تمہیں بدر سے کچھ بھی نہیں چاہیے سوائے ایک شرارت اور chaos برپا کرنے کے۔ پھر کیوں نہیں بتا دیتے ہو کہ وہ کہاں ہے؟ میری تکلیف کیوں نہیں ختم کر سکتے تم؟“ اس کی آواز اونچی ہونے لگی۔

”میں کر دیتا، اگر مجھے معلوم ہوتا کہ وہ کہاں ہے۔ میں نہ کبھی تمہارے بیٹے سے ملا ہوں نہ تم سے۔“

”ہمارے پاس سی سی ٹی وی فوٹیج ہے۔ میوزیم میں جب تم مجھ سے ملے تھے۔“

”ایسے تو دن میں بہت سے لوگوں سے ٹکراتا ہوں۔ شاید ایک خوبصورت لڑکی دیکھ کے میں نے رک کے بات کر لی ہو۔ لیکن اتنی سی ملاقات میں کہاں کسی کا چہرہ یاد رہتا ہے۔“ وہ اسی ڈھٹائی سے مسکرا رہا تھا۔

مالانے مٹھیاں ضبط سے بھیج لیں۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ اس نوجوان کی گردن دبوچ لے۔

”تمہیں کیا چاہیے؟ میں کیا کروں کہ تم مجھے میرے بیٹے کا پتہ بتا دو گے؟“

عالیان نے جواب نہیں دیا۔ اسی طرح مسکراتے ہوئے اسے دیکھ گیا۔

”میں پولیس میں کوئی شکایت نہیں کروں گی۔ کسی قسم کا کیس نہیں کروں گی۔ اپنے بیٹے کو لے کے میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔ مجھے کسی قانونی معاملے کا حصہ نہیں بننا۔ تمہارا کیا جاتا ہے؟ مجھے میرا بیٹا دو اور اپنی زندگی گزارو۔“ اس کے لہجے میں منت در آئی اور آنکھوں میں آنسو۔

”مجھے تمہاری حالت دیکھ کے بہت دکھ ہو رہا ہے، کشمالہ۔ لیکن میں کیا کروں؟ میں تمہارے بیٹے کو نہیں

جانتا۔“

مالا بے بسی سے پیچھے ہوئی۔ چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ پھر گردن موڑ کے شکایتی نظروں سے ماہر کو دیکھا۔ وہ بالکل خاموش تھا۔ (تم بھی اس تفتیش میں اپنا حصہ ڈال سکتے ہو۔) وہ تادیبی نظروں سے اسے کہہ رہی تھی۔

ماہر نے واپس اس نوجوان جادوگر کو دیکھا۔

”تم بیر بل کو کیوں اسٹاک کر رہے تھے؟“ کھنکھار کے بولا۔

عالیان ہلکا سا ہنسا اور شانے اچکا دیے۔ ”وہ مشہور ہے۔ دلچسپ reels بناتا ہے۔ میں اسے فالو کرتا ہوں۔ اس کے کپڑے پہننے کا اسٹائل مجھے پسند ہے۔“ وہ رکا۔ پھر جیسے یاد کر کے بتایا۔ ”اس کے انسٹاگرام پر میں نے آپ کو بھی دیکھا تھا، ماہر بے۔ ایک دفعہ اس نے ایک reel شیئر کی تھی۔ اپنے اپارٹمنٹ کے کچن میں کھڑا وہ آپ کے لئے سمودی بنا رہا تھا۔ میں نے اس کی ریسپسی سے وہی سمودی بنانے کی کوشش کی لیکن...“ عالیان کے چہرے پہ مایوسی پھیلی۔ ”اس کا ذائقہ اتنا اچھا نہیں تھا جتنا بیر بل فرید نے بڑھا چڑھا کے بیان کیا تھا۔ کسی کو انسٹاگرام پہ اسٹاک کرنا جرم ہے کیا؟“

مالا بے چینی سے مزید آگے ہوئی۔

”تمہیں کیا چاہیے میرے بیٹے کے بدلے میں؟ بتاؤ... نام لو کسی بھی چیز کا... اور میں وہ کروں گی۔“

”کیا تم مجھے یونیورسٹی میں اچھے گریڈز دلوا سکتی ہو؟“ عالیان نے ابرو اٹھایا۔ چمکتی آنکھوں میں چیلنج تھا۔

مالا کے کندھے ڈھیلے پڑ گئے۔ وہ پیچھے ہوئی۔ وہ ذہنی طور پہ تھک چکی تھی اور وہ شخص ٹس سے مس ہی نہیں ہو رہا تھا۔

کمرے سے باہر آتے ہوئے ماہر اسی طرح خاموش تھا۔ دروازہ بند ہوا اور وہ دونوں راہداری میں تنہا رہ گئے تو وہ اس کی طرف گھومی۔

”تم نے اس سے کیوں کچھ نہیں پوچھا؟ کیا معلوم وہ تمہیں کچھ بتا دیتا۔“ اسے اس وقت ماہر پہ غصہ آرہا

تھا۔

”وہ کچھ نہیں بتائے گا۔ وہ بہت ڈھیٹ ہے۔“ ماہر فرید نے کندھے اچکائے۔

مالا نے کوٹ کی جیب سے موبائل نکالا اور اس پر بٹن دبانے لگی۔

”ہمیں نہیں بتائے گا لیکن کوئی ہے جس کے سامنے شاید وہ اتنی ڈھٹائی نہ دکھاسکے۔“



ہوٹل کی لابی سے اسٹیشن تک کا سفر.... پھر اسٹیشن کے داخلی دروازے سے اس نیم روشن تفتیشی کمرے تک کا سفر.... اس سارے سفر میں کبیرہ سادان سے پیر نہیں اٹھائے جارہے تھے۔
برسوں سے عالیان کے نام کے ساتھ وہ ایک ہی بات سنتی آرہی تھیں۔

”وہ مرچکا ہو گا۔“

”کھوئے ہوئے بچے کہیں نہیں ملتے۔“

”اس کی لاش مل چکی ہے۔ تم اس کو کیوں تلاش کر رہی ہو؟“

”کبیرہ کو اس کی اکڑ اور غرور کی سزا ملی ہے۔ ایک ہی بیٹا تھا۔ وہ بھی مر گیا۔“

کئی برس تک وہ اس فون کال کا انتظار کرتی رہی تھیں جو ان کو موصول ہوگی اور کوئی شخص بھاری آواز میں کہے گا کہ تمہارا بچہ ہمارے پاس ہے، ہمیں اتنے کروڑ تاوان کے طور پہ ادا کرو اور اپنے بچے کو لے جاؤ۔ اور پھر وہ اپنی ساری جمع پونجی بیچ کے اس تاوان کی رقم کو ادا کر دیں گی اور اپنے چھوٹے سے بیٹے گھر لے آئیں گی۔

آج برسوں بعد انہیں وہ کال موصول ہوئی تھی اور اس لڑکی کی طرف سے جو ان کی دشمن کی بیٹی تھی۔ یہ دشمنی یک طرفہ تھی اور کئی برس سے کبیرہ بیگم نے اسے تنہا ہی نبھایا تھا۔

وہ جانتی تھیں کہ اس فون کال کے بعد بھی یہ دشمنی ختم نہیں ہو جائے گی۔ کشمالہ حور جہاں کی بیٹی ہی رہے گی جس کو وہ سخت ناپسند کرتی تھیں۔ اور ماہ بینہ اس کی بہن ہی رہے گی جس کی ہر نعمت سے ان کو حسد محسوس ہوتا تھا۔ جس کی ہنستی بستی زندگی دیکھ کے انہیں اپنی کم مائیگی کا احساس ہوتا تھا۔

آج کا دن گزر جانے کے بعد بھی وہ دشمنی، حسد اور ناپسندیدگی اسی طرح برقرار رہنی تھی جیسی آج سے پہلے تھی۔

لیکن آج کے دن کسی شے سے فرق نہیں پڑتا تھا۔

بس آج کے دن کے لیے کبیرہ بیگم نے اپنے عناد پہ pause کا بٹن دبا دیا تھا۔

آج ساری کائنات رک گئی تھی کیونکہ آج... انہوں نے ٹھنڈا ڈور ناب گھمایا اور دروازہ دھکیلا...

آج ان کی تلاش ختم ہوئی تھی۔

دروازے سے کرسی تک کا سفر صدیوں کا تھا۔

ان کے قدم بھاری تھے اور ان کی بصارت بار بار دھندلا رہی تھیں۔

میز کے پار بیٹھانوجوان وہ چھوٹا سا بچہ نہیں تھا جس کے بال انہوں نے آخری دفعہ برش کیے تھے۔ اس کی

شرٹ کا کالر بند کیا تھا۔ اس کے چہرے پر رگڑ کے لوشن لگایا تھا جس سے وہ ہمیشہ چڑتا تھا اور منہ پیچھے کر لیتا تھا۔

وہ بچہ کہیں نہیں تھا۔

اس کی جگہ ایک نوجوان بیٹھا تھا۔ سنہرے الجھے بالوں والا۔ کہنیاں میز پہ جمائے، سر ان پہ گرائے۔

آہٹ پہ اس نے چہرہ اٹھایا۔ اس کے چہرے پہ کوئی تاثر نہ ابھرا۔

سیاہ پینٹس اور ہم رنگ کوٹ میں ملبوس کبیرہ سادان اس کے سامنے کھڑی تھیں۔

عالیان پیچھے ہوا، ٹیک لگائی، ٹانگ پر ٹانگ جمائی، اور فرصت سے ان کا جائزہ لیا۔

سیاہ بوائے کٹ بالوں والی خوبصورت خاتون جو مختلف طریقوں سے اپنی بڑھتی عمر کو روکنے کی کوشش کر

رہی تھیں۔ کانوں میں دکتے نگینے، انگلیوں میں چمکتے ہیرے، کلائی پر بندھی قیمتی گھڑی... عالیان کی نگاہیں واپس ان

کے چہرے تک اٹھیں۔

ان کی آنکھیں ضبط سے گلابی پڑ رہی تھیں۔ وہ اسی طرح انہیں دیکھے گیا۔ یہاں تک کہ وہ اس کے سامنے

بیٹھ گئیں۔ وہ ایک پل کے لیے بھی اس پر سے نگاہ نہیں ہٹا رہی تھیں۔ وہ بس اسے دیکھے جا رہی تھیں۔

اس نوجوان کو پہچاننا ان کے لئے مشکل نہ تھا۔ وہ ایک لمحے میں پہچان سکتی تھیں کہ یہ وہی بچہ تھا جو انہوں نے کھویا تھا۔ بھلے اس کا قد چھ فٹ سے اونچا ہو گیا ہو، بھلے اس کے بالوں کا رنگ ڈائی ہو کے بدل گیا ہو، بھلے اس کے چہرے پہ ان کے لئے کوئی شناسائی یا اپنائیت نہ ہو، لیکن وہ اس کو پہچانتی تھیں۔ وہ بھرے مجمع میں بھی اس کو پہچان سکتی تھیں۔

وہ سادان اور ان کی صورت کا مکسچر تھا۔ وہ انہی کا بیٹا تھا۔

انہیں کسی ڈی این اے، کسی بلڈ ٹیسٹ کی ضرورت نہ تھی۔

”کیسے ہو؟“ ان کے ہونٹ کپکپائے۔ آنکھیں بدستور اس پہ جمی تھیں۔

نوجوان نے ہلکے سے کندھے اچکائے۔

”چند گھنٹے گزر چکے ہیں، چند گھنٹے رہ گئے ہیں۔ یہ چوبیس گھنٹے سے زیادہ مجھے حراست میں نہیں رکھ سکتے۔“ اس کی آواز میں کوئی تاثر نہ تھا۔ آنکھوں میں البتہ بے زاری تھی۔

”کیا تم نے مجھے پہچانا؟“

”اوہ پلیز... کیا ہم یہ فارمیسیٹیز ختم کر سکتے ہیں؟ میں جانتا ہوں کہ آپ کبیرہ سادان ہیں۔ ایک عرصہ میں نگینہ خاتون کے ساتھ رہا ہوں اور انہوں نے مجھے آپ کے بارے میں سب بتا دیا تھا۔ لیکن...“

عالیان نے چہرہ شیشے کی دیوار کی طرف اٹھایا جس کے پار پولیس افسران کھڑے تھے اور آواز بلند کی۔

”لیکن کسی اور ملک میں اغوا ہو کے رہنا اور کسی جادوگر کی پرورش میں بڑے ہونا کوئی جرم نہیں ہے۔ اس لیے تم لوگ مجھے اس کے اوپر حراست میں نہیں رکھ سکتے۔“

پھر چہرہ واپس ان کی طرف موڑا۔

”ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ میں جانتا ہوں آپ میری بائیولوجیکل مدر ہیں اور میں آپ کے چہرے سے واقف ہوں۔ لیکن مجھے آپ سے کچھ نہیں چاہیے۔ میں محنت کر کے اپنا گزر بسر خود چلا سکتا ہوں۔“

وہ جیسے اس کو سن نہیں رہی تھیں۔ بس اسے دیکھ رہی تھیں۔ آنکھوں سے اس کا ایک ایک نقش اپنے اندر جذب کر رہی تھیں۔

”کیسے ہو؟“ انہوں نے دوبارہ پوچھا۔ عالیان ایک لمحے کے لئے ٹھہرا۔ گردن میں گٹی سی ابھر کے معدوم ہوئی۔

”میں پولیس کی اس کارروائی کی وجہ نہیں جانتا۔ سنا ہے آپ کی کسی رشتہ دار نے مجھے اپنے بچے کے اغوا کے جرم میں پھنسانے کی کوشش کی ہے۔ شاید اسی لیے آپ کو بھی یہاں بلایا ہے تاکہ آپ میرے اوپر کچھ پریشر ڈال سکیں۔ حالانکہ...“

”کیسے ہو، عالیان؟“

وہ بولتے بولتے رک گیا۔ آنکھیں کبیرہ بیگم پہ جمی تھیں۔ آواز مدہم ہوئی۔

”ٹھیک ہوں۔“

شینے کی دیوار کے پار کھڑے چنگیز نے بے اختیار ساتھ موجود مالا کی طرف دیکھا۔ وہ بھی عالیان کے چہرے کے بدلتے تاثرات پہ چونکی تھی۔ پھر اس کے چہرے پہ امید ابھر آئی۔ خوف سے لپٹی امید۔

”کیا اس کے بعد تم کبھی مجھ سے ملنا چاہو گے؟“ آنسو ان کی پلکوں پہ ٹھہرے تھے اور عالیان بس انہیں دیکھ رہا تھا۔

”میرے اور آپ کے درمیان کوئی ایٹچمنٹ نہیں ہے۔ میری یہاں ایک زندگی ہے، پڑھائی ہے، جاب ہے۔ مجھے آپ سے کچھ نہیں چاہیے۔“

”لیکن مجھے تمہاری موجودگی چاہیے اپنی زندگی میں۔ کیا تم میرے لئے وقت نکال سکو گے؟“ آنسو ان کے چہرے پہ پھسل رہے تھے۔ میک اپ کی تہیں ہلکی ہلکی گھٹنے لگیں۔

وہ بس انہیں دیکھتا رہا۔ وہ اس کے چہرے کو نہیں پڑھ پارہی تھیں۔

”تمہیں یہاں سے (آنکھوں سے اطراف میں دیکھا۔ پھر واپس عالیان کو) میں نکلوں گی۔ میرے لیے کچھ مشکل نہیں ہے۔ لیکن اس کے بعد کیا ہوگا، عالیان؟ کیا تم میری زندگی کا حصہ بننا چاہو گے؟“ وہ آگے کو ہوئیں، بہت امید سے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ وہ چپ رہا۔ البتہ ان کی آنکھوں سے نگاہیں نہیں ہٹا رہا تھا۔

”میں تم سے زیادہ کچھ نہیں مانگوں گی۔ جانتی ہوں تمہاری ایک زندگی ہے۔ جیسے عنایہ کی ایک زندگی ہے۔ جیسے ہر شخص اپنی زندگی میں مصروف ہے۔ لیکن کیا مہینے میں ایک دفعہ، میں اور تم کہیں بیٹھ کے ایک اچھا سا ڈنر کر سکیں گے؟ کیا کبھی میں تمہارا ہاتھ پکڑ سکوں گی؟ کبھی میرا دل گھبرائے تو میں تمہیں کال کر سکوں گی؟“

عالیان خاموش بیٹھا رہا۔ البتہ اس کی گردن میں بار بار تھوک نکلنے سے گلٹی ابھر کے معدوم ہوتی تھی۔ شیشے کے پار کھڑی مالا کو وہم سا ہوا کہ عالیان کی آنکھیں بھیگی ہیں۔

”میں تم سے زیادہ کچھ نہیں مانگوں گی۔ صرف تمہاری زندگی کے چند لمحے۔ کیا تم اتنا کر سکو گے میرے لئے؟“

سامنے بیٹھا نوجوان ان کا بیٹا تھا اور اگر وہ اپنی زندگی ان کے ساتھ شیئر کرنا شروع ہو جائے تو شاید ان کو ہر چیز مل جائے۔ ان کی زندگی میں خوشی واپس آجائے۔ پھر کسی کی ہنستی مسکراتی زندگی دیکھ کے انہیں حسد محسوس نہیں ہوگا۔ پھر شاید وہ کسی جادوگر کی چوکھٹ پہ نہیں جائیں گی۔ پھر شاید وہ کسی کی زندگی کو آگ لگانے کے خواہش نہیں کریں گی۔ کیونکہ ان کی کھوئی جنت ان کے سامنے تھی۔

عالیان نے دھیرے سے سر کو خم دیا۔ البتہ بولا کچھ نہیں۔

کبیرہ بیگم کی بھیگی آنکھیں ہلکی سی مسکرائیں۔

”میں نے کہا نا... میں تمہیں یہاں سے نکال لوں گی۔ تمہاری ماں آگئی ہے اور وہ تمہارے لئے سب کچھ کر سکتی ہے اور...“ انہوں نے گہری سانس لی۔

”کشمالہ سے بھی میری بات ہو گئی ہے۔ وہ تمہارے اوپر کوئی مقدمہ، کوئی چارج شیٹ دائر نہیں کرے گی۔ تمہیں کوئی اعتراف کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ اگر تم صرف اس کے بچے کے بارے میں کچھ بتادو۔ کیونکہ وہ بھی ایک ماں ہے اور میں اس کا غم سمجھ سکتی ہوں۔ تو ہم سب ایک نئی زندگی شروع کریں گے۔“

عالیان اسی طرح انہیں دیکھے گیا۔

”کیا تم اپنی ماں کے لیے اتنا کر سکتے ہو؟“ آنسو ان کی آنکھوں سے گر رہے تھے اور وہ دونوں مٹھیاں باہم پھنسائے بیٹھی تھیں۔

عالیان نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا۔

”اوکے۔“ اس کی آواز دھیمی تھی۔ نگاہیں ان کی آنکھوں پہ جمی تھیں۔

”کیا صرف اس جگہ کا نام بتا سکتے ہو جہاں وہ بچہ ہے، عالیان؟“

عالیان نے پھر سے اثبات میں سر ہلایا اور چہرہ جھکا لیا۔

”کیا تم اس کاغذ پر لکھ سکتے ہو؟“ انہوں نے عالیان کے سامنے رکھے کاغذ قلم کی طرف اشارہ کیا۔

عالیان نے چہرہ اٹھایا۔ اس کی آنکھوں میں پانی تھا۔

”اگر میں ایسا کر دوں تو کیا ہم ایک فیملی بن جائیں گے؟“ اس کی آواز گیلی تھی۔

”آف کورس... آف کورس... میرے بیٹے، ہم ایک فیملی بن جائیں گے“ وہ بھیگی آنکھوں کے ساتھ مسکرائیں۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اٹھ کے اس کو گلے سے لگالیں۔

”اوکے...“ وہ کھنکھارا۔ چہرہ ان کے قریب کیا۔ ”مالا کا بیٹا...“

مالا اور چنگیز... دونوں کا جیسے سانس رک گیا۔

”.... جہنم میں ہے۔“

سارے میں سناٹا چھا گیا۔

”کم آن، کیرہ سادان...“ عالیان ایک دم سر پیچھے پھینک کر ہنسا۔

”آپ کو لگا مجھے آپ کی فیملی بننے میں دلچسپی ہے؟ ایکسیوزمی؟“ وہ ابھی تک ہنستا چلا جا رہا تھا۔

کیرہ بیگم کے آنسو بچہ چہرے کے رک گئے۔ شاک اور صدمے سے۔

”آپ نے کیسے سوچا کہ آپ کی یہ ایمو شنل بلیک میلنگ میرے اوپر اثر کر جائے گی...؟ جس مٹی سے میں بنا ہوں، وہاں پہ اس کا کوئی چانس نہیں ہے۔“ وہ بدقت ہنسی روک کے سیدھا ہوا اور چہرہ اٹھا کے شیشے کی دیوار کو دیکھا۔

"I got you for a second." اس نے ایک آنکھ دبائی اور با آواز بلند کہا۔ وہ شیشے کے پار کھڑے

چنگیز اور مالا سے مخاطب تھا۔

چنگیز بد مزہ ہو کے پیچھے ہوا تھا اور کشمالہ کے کندھے ڈھلک گئے تھے۔ چہرے کی جوت بجھ گئی تھی۔ وہ عالیان کی ان کی آنکھوں کو پہچانتی تھی۔ چینجنگ والی آنکھیں۔ جن کو کئی برس سے وہ اپنے خوابوں میں دیکھتی آئی تھی۔

”میرا خیال تھا وہ اپنی ماں کو بتا دے گا۔“

”یہ کچھ نہیں بتائے گا۔“ چنگیز نے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی۔ ”صبح ہمیں اس کو ریلیز کرنا ہو گا۔ تب

تک اگر آپ کے ترکش میں کوئی آخری تیر بچا ہے تو اس کو آزما لیں۔ اس کے بعد میں کچھ نہیں کر سکوں گا۔“

وہ جیسے اب اس ساری کارروائی سے بے زار ہو چکا تھا۔

مالا نے شکستگی سے سر ہلا دیا۔ اس کا ترکش خالی تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ماہر کو ایک میٹنگ کے سلسلے میں پولیس اسٹیشن سے جانا پڑ گیا۔ جب وہ واپس آیا تو وہ اسٹیشن کے سامنے

بنے پارک کے بیچ پر بیٹھی تھی۔ تاریکی دھیرے دھیرے اپنے پر پھیلا رہی تھی۔ اسٹریٹ پولز کی بتیاں روشن

ہونے لگی تھیں۔ اس نے ایک کافی کارٹ سے کافی کے دو کپ لیے اور مالا کی طرف چلا آیا۔ بیچ پر اس کے ساتھ بیٹھا تو وہ چونکی، ایسے جیسے کسی گہری نیند سے جاگی ہو اور دماغ ابھی تک شل ہو۔

”کافی۔“ ماہر نے کپ اس کی طرف بڑھایا۔ ”یہ پولیس اسٹیشن کی ڈرپ کافی سے بہتر ہوگی۔“

وہ پھیکا سا مسکرا دی۔ اسے یاد آیا دو ماہ پہلے جب وہ اس کے ساتھ پہلی دفعہ پولیس اسٹیشن آئی تھی تب ان دونوں کے درمیان کتنے فاصلے تھے۔ تب کا ماہر فرید آج والے ماہر فرید سے مختلف تھا۔ یا شاید وہ بدل گئی تھی۔ یا شاید وقت بدل گیا تھا۔

بیچ ایک درخت تلے تھا۔ اس کی اوپری شاخوں پر کوئی پرندہ بیٹھا چونچ رگڑ رہا تھا جس کے باعث پتوں میں بار بار جھنجھناہٹ پیدا ہوتی تھی۔

وہ دونوں خاموشی سے بیچ پر ساتھ ساتھ بیٹھے سامنے پھیلی گھاس اور اس کے پار بنی سڑک کو دیکھے گئے۔ زن سے گزرتی گاڑیاں ان کے اور پولیس اسٹیشن کے درمیان ایک لمحے کے لیے حائل ہو جاتیں۔ اور پھر منظر صاف ہو جاتا۔

”کیا معلوم وہ بدر کو اب تک مار چکا ہو۔“

ماہر نے چونک کے اسے دیکھا۔ وہ ان چھوئے مگ کو ہاتھوں میں پکڑے سامنے دیکھ رہی تھی۔ ان گزشتہ چند ہفتوں میں یہ دوسری دفعہ تھا جب اس نے مالا کی آواز میں بدر کے بارے میں بات کرتے ہوئے مایوسی دیکھی تھی۔

”ہم اسے ڈھونڈ لیں گے، مالا۔“

لیکن کشمالہ مبین نے گردن دائیں بائیں ہلائی۔

”اس نے کبھی بھی ہمیں پروف آف لائف نہیں دیا۔ چند ماہ پہلے بدرواقعی استنبول میں آیا تھا۔ ہم نے ایئر پورٹ کی فوٹج میں دیکھا تھا۔ لیکن کیا اس کے بعد وہ اسی شہر میں رہا؟ کیا عالیان نے اس کا ٹھیک سے خیال رکھا؟ اگر وہ زندہ ہو تا تو عالیان مجھے اس کی تصویر یا ویڈیو ضرور دکھاتا۔“

”آج کل اغواکار ایسے کام نہیں کرتے کیونکہ تصویر یا ویڈیو میں پیچھے موجود بیک گراؤنڈ سے کوئی بھی clue لے کر ان کو ڈھونڈا جاسکتا ہے۔“

مگر کشمالہ نے سر جھٹک دیا۔

”کیا پتا اس کے ہاتھوں سے میرے بیٹے کی زندگی چلی گئی ہو... جان بوجھ کے بھی نہیں تو غلطی سے... اور وہ میرے اوپر لیور تاج قائم رکھنے کے لیے مجھے بتانہ رہا ہو۔ یا کیا معلوم اس نے بدر کو اسی مقصد کے لئے استعمال کیا ہو جس کے لئے نگینہ بیگم بچوں کو اغوا کیا کرتی تھیں۔“

اس کی آواز میں کپکپاہٹ تھی اور وہ بدقت بول پارہی تھی۔

”ہم شاید کبھی نہ جان سکیں کہ نگینہ بیگم بچے کیوں اغوا کرتی تھیں۔“

”کیا ہلال نے تمہیں کبھی نہیں بتایا؟“ مالا نے چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔ اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔ ماہر نے سردائیں بائیں ہلایا۔

”بس اتنا بتایا تھا کہ وہ انہیں جادو سیکھنے کے لئے مجبور کرتی تھیں۔ اس سے زیادہ نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ صرف اس مقصد کے لیے نگینہ بیگم بچے اغوا نہیں کرتی تھیں۔ اس کا کوئی اور مقصد بھی تھا۔“

ماہر کا ذہن لائبریری کی جانب چلا گیا۔ وہاں ہلال بھی جاتی تھی۔ کیا وہ عالیان سے ملی تھی؟ اگر ہاں، تو اس نے ماہر کو کیوں نہیں بتایا؟

ہلال وہ معمہ تھی جسے شاید وہ تمام عمر نہیں سمجھ پائے گا۔

”تم بھی سارا وقت خاموش رہے۔“ مالا کی آواز پہ وہ چونکا۔ وہ اسے شکایتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

”تم اس سے کچھ پوچھ سکتے تھے۔ اپنا چارم استعمال کر کے، یا جیسے... جیسے تم اپنی... اپنی باتوں کے ذریعے لوگوں کے ذہن میں گھس جاتے ہو۔ مجھے لگا شاید تم اپنی کوئی تکنیک اس پہ بھی استعمال کرو گے۔ لیکن تم...“ مالا نے افسوس سے سردائیں بائیں ہلایا۔ ”تم نے اس کو کچھ بھی بتانے کے لئے مجبور نہیں کیا۔“

ماہر مسکرا دیا۔ ہلکے سے کندھے اچکائے۔

”تم، چنگیز اور کبیرہ بیگم اس سے وہ کہلوانے کی کوشش کر رہے تھے جو وہ نہیں بتانا چاہتا تھا۔“

”اور تم؟“

”میں وہ سن رہا تھا، جو وہ بتا رہا تھا۔“

مالا کی آنکھوں میں الجھن ابھری۔ ”اس نے کچھ بھی نہیں بتایا۔“

”کافی پیو۔“

وہ چند لمحے نا سمجھی سے اسے دیکھے گئی۔ پھر کپ چہرے تک لے گئی لیکن دل نہیں چاہا۔ دل کسی چیز کے لیے نہیں چاہ رہا تھا۔ اس نے کپ نیچے کر دیا۔

”کیا معلوم میں غلط ہوں اور باقی ساری دنیا ٹھیک کہتی ہو۔ ماہی... مالک صاحب... شاید وہ سب ٹھیک کہتے ہوں۔“

”ہم اسے ڈھونڈ لیں گے، مالا...“ وہ رکا۔ ”اگر وہ زندہ ہو تو ہم اسے ڈھونڈ لیں گے۔“

”اور اگر وہ زندہ نہ ہوا؟“ کشمالہ نے بے اختیار تڑپ کے اسے دیکھا۔ اپنے منہ سے یہ کہنا آسان تھا، کسی کے منہ سے سننا بہت مشکل۔

”اگر وہ زندہ نہ ہو تو بھی ہم اس کا سراغ حاصل کر لیں گے۔ یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔“

مالا نے بھیگی آنکھوں کے ساتھ سر اثبات میں ہلایا۔ چند لمحے اسی طرح خاموشی سے گزر گئے۔ سوائے اس پرندے کی چونچ کی آواز کے جو مسلسل لکڑی پر کچھ رگڑ رہا تھا۔

”کیا بدر کے ملنے کے بعد تم واپس چلی جاؤ گی؟“

مالانے چہرہ موڑ کے اس کی طرف نہیں دیکھا۔ وہ پولیس اسٹیشن کی جگمگاتی عمارتوں کو دیکھے گئی۔ اندھیرا گہرا ہونے کے باعث اس کی ساری بتیاں جل اٹھی تھیں۔ چنگیز کے دفتر کی کھڑکی بھی روشن تھی، البتہ اس زاویے سے وہ اندر بیٹھے افسران کو نہیں دیکھ سکتی تھی۔

”میں واپس جانے کے لیے ہی آئی تھی۔“

”لیکن تم رک بھی تو سکتی ہو۔“

مالانے بے اختیار چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔ وہ اس کو اسی طرح دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بہت سے سوال تھے جنہیں وہ زبان پہ نہیں لا رہا تھا۔

”میرے پاس یہاں رہنے کے لیے کوئی وجہ نہیں ہے، ماہر۔ اور وہاں میری پوری زندگی ہے۔ میں نے بہت محنت سے وہ زندگی بنائی ہے۔ پھر مجھے اپنے بیٹے کا سوچنا ہے۔ اپنی فیملی کا سوچنا ہے۔ میں یوں ہی اچانک سے ری لوکیشن کے فیصلے نہیں کر سکتی۔ اور پھر اس شہر میں میں کیا کروں گی؟“ وہ اب بیچ پہ اس کی طرف پوری گھومی سنجیدگی سے کہنے لگی۔ جو بات تھی وہ سامنے ہو جائے تو بہتر ہے۔

”یہاں میری کوئی شناخت نہیں ہے۔ میرے پاس ویزہ نہیں ہے۔ چلو میرا ورک ویزہ لگ جائے تب بھی یہاں ہر چیز مجھے نئے سرے سے شروع کرنی پڑے گی۔ یہ مت کہنا کہ بیکری کی وجہ سے میں ایک دم stable ہو جاؤں گی۔ وہ بیکری میں ویسے بھی بیربل کو واپس کر دوں گی۔“

وہ بولتی گئی اور وہ سنے گیا۔

”میں نے جو کچھ کرنا ہے، اپنی فیلڈ میں رہتے ہوئے اپنے لیے کرنا ہے۔ جیسے میری فوٹو گرافی، میرے کلائنٹس۔ وہاں پہ میرا ایک سیٹ اپ ہے۔ یہاں پر مجھے نئے سرے سے ہر چیز شروع کرنی پڑے گی۔ گھر، ہیلتھ انشورنس، گاڑی، کلائنٹس، بزنس لائسنس، مارکیٹنگ، سب کچھ اسکرین سے شروع کرنا پڑے گا۔ اور میں پہلے ہی اس فیز سے گزر چکی ہوں۔ میں نے تنکا تنکا جوڑ کے اپنی زندگی تنہا وہاں کھڑی کی تھی۔ میں دوبارہ اسی فیز سے نہیں گزر سکتی جب مجھے پھر سے ایک ایک تنکا جوڑنا پڑے۔“

”تم کیوں سمجھتی ہو کہ تمہیں سب کچھ تنہا کرنا پڑے گا؟“

پرندے کی چونچ ایک دم ٹھہر گئی۔ ساری آوازیں جیسے خاموش ہو گئیں۔

وہ بس اس کو دیکھ کے رہ گئی۔

”جانتا ہوں کہ تم نے ہر چیز اکیلے کی ہے۔ لیکن ہمیشہ اکیلے ہی کرنی ہوگی، یہ کیوں فرض کر لیا ہے تم

نے؟“

پولیس اسٹیشن کی بتیاں جیسے ایک دم تیز ہو گئی تھیں۔ یا شاید گزرتے ٹریفک کی ہیڈ لائٹس تھیں۔ اسے لگا

یہ ایک پارک میں بہت سی روشنی اتر آئی ہے۔ یا شاید وہ ماہر کی بھوری آنکھوں کی چمک تھی۔

وہ بس اسے دیکھ کے رہ گئی۔

”تم اپنی زندگی کا ہر فیصلہ یہ سوچ کر لیتی ہو کہ تمہیں یہ تنہا کرنا پڑے گا۔ کیونکہ تم ایک ہائپر انڈیپنڈنٹ

عورت ہو۔ اور اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔ حالات نے تمہارے پاس کوئی چوائس نہیں چھوڑی تھی۔ تم اکیلی

تھیں۔ تمہاری شادی ٹوٹی تھی۔ تمہیں دنیا کے کسی مرد پہ اعتبار نہیں تھا اور تم بہت سے ٹراما سے گزر رہی

تھیں۔ میں سمجھ سکتا ہوں لیکن...“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”لیکن اب تم تنہا نہیں ہو۔ اب وہ فیز گزر گیا۔ زندگی چار پانچ سال پہلے وین کوور کی سردی میں منجمد

نہیں رہی۔ زندگی آگے بڑھ گئی ہے۔ تم بہت سی چیزوں سے گزر آئی ہو۔ تم وہ انسان نہیں ہو جو پانچ سال پہلے

تھیں، نہ تم وہ انسان ہو جو ایک سال پہلے تھیں۔ ہر انسان وقت کے ساتھ ساتھ بدلتا ہے۔ میں بھی وہ نہیں ہوں جو

چند ماہ یا چند سال پہلے تھا۔ ہم دونوں نے اپنی زندگیوں میں بہت کچھ کھویا ہے اور اس سے بہت کچھ سیکھا ہے۔“

وہ بول رہا تھا اور وہ بس اس کو سن رہی تھی۔

”ایک چیز جو میں نے سیکھی ہے، وہ یہ ہے کہ اپنی زندگی کا ہر فیصلہ یہ سوچ کے نہیں لیتے کہ ہمیں یہ سب

اکیلے کرنا پڑے گا۔“

ماہر کا روشن چہرہ دھندلا پڑتا جا رہا تھا۔ مالانے پلکیں جھپکیں، آنسو ٹوٹ کے گالوں پہ گرے۔

”کیا تم ایک لمحے کے لیے یہ سوچ سکتی ہو کہ تمہیں کچھ بھی اکیلے نہیں کرنا پڑے گا؟ میں تمہارے ساتھ ہوں گا؟ کیا تب تمہارے لیے یہ فیصلہ آسان ہو گا؟“

وہ مزید اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اس نے رخ موڑ لیا۔ وہ اب واپس پولیس اسٹیشن کو دیکھ رہی تھی جس کی دیواروں کے اندر ایک جادوگر قید تھا۔

”ابھی... ابھی میں کوئی فیصلہ لینے کی کنڈیشن میں ہوں کیا؟“

”ابھی کی بات نہیں کر رہا۔ کہانا، ہم بدر کو ڈھونڈ لیں گے۔ لیکن اس کے بعد میں چاہتا ہوں کہ تم واپس جانے یا نہ جانے کا فیصلہ یہ سوچ کے مت کرو کہ تم تنہا ہو گی۔ میں پہلے بھی تمہارے ساتھ تھا اور اب بھی تمہارے ساتھ ہوں گا۔ پتھر پہ لکیر کھینچ کے بتا چکا ہوں۔“

مالا نے چہرہ موڑ کے اسے نہیں دیکھا۔ البتہ کنکھیوں سے وہ دیکھ سکتی تھی کہ خاکی کوٹ والا مرد اپنی جگہ سے اٹھ رہا تھا۔ پھر وہ ایک ٹریش کین تک گیا اور کپ اس میں گرادیا۔ وہ جانتی تھی اس نے آدھا کپ بھی نہیں پیا ہو گا۔ اس کے کافی snob دماغ کو اس طرح کی کافی ہرگز گوارا نہیں تھی۔ وہ اسے بہت ٹھیک سے سمجھنے لگی تھی... یا شاید وہ اس کو اب تک نہیں سمجھتی تھی۔ وہ واپس اس کے قریب آ رہا تھا۔ اس کے عین سامنے۔ یہاں تک کہ اس کے پیچھے پولیس اسٹیشن کا منظر بلاک ہو گیا۔ مالا نے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔ وہ جواب مانگنے نہیں آیا تھا۔ وہ اسے گھر چلنے کے لیے کہہ رہا تھا۔

وہ ساری رات پولیس اسٹیشن میں نہیں گزار سکتے تھے۔



مالا اس رات نہیں سوئی۔ وہ بالکونی میں کمرے کے لیے سردی میں بیٹھی رہی۔ جانتی تھی کہ دوسری جانب وہ بھی بیٹھا ہے۔ کچھ دیر بعد وہ اس سے کچھ پوچھ لیتا تھا۔ کبھی وہ جواب دیتی۔ کبھی خاموش رہتی۔ آنسو بار بار ابل کے آ رہے تھے۔ کبھی کبھی وہ چنگیز اور ساری پولیس کی شان میں غصے سے کچھ بولنے لگ جاتی۔ تب وہ تسلی سے سنتا اور جواب میں بس اتنا کہتا۔

"پولیس والوں کو کسی سے کچھ اگلوانا نہیں آتا، مالا۔"

"تمہیں آتا ہے؟ بولے تو تم بھی ایک لفظ نہیں تھے۔"

دیوار کے پار خاموشی چھا گئی۔

"میں اور کیا کرتا؟"

"کچھ نہیں۔" وہ مزید کچھ نہیں بولی۔ درمیان میں کسی پل اسے اونگھ آگئی۔ جیسے بہت رونے کے بعد آتی

ہے۔

اس کی آنکھ فون کی مسلسل بیل سے کھلی۔ ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھی۔ ماہر کال کر رہا تھا۔

وہ اب ہمسائے میں موجود بالکونی میں نہیں تھا۔ صبح کی روشنی پھیل چکی تھی اور وہ نیچے لابی میں اس کا منتظر

تھا۔

عالیان کی رہائی کا وقت قریب تھا۔ اگر انہوں نے عالیان سے بات کرنی تھی تو ان کے پاس ایک آخری

موقع تھا۔

ٹریفک کے باعث انہیں دیر ہو گئی۔ جب تک وہ دونوں پولیس اسٹیشن میں داخل ہوئے، عالیان کی رہائی کا

پروانہ جاری ہو چکا تھا۔

داخلی راہداری کے بائیں طرف ایک ہال سا بنا تھا۔ ماہر اس طرف مڑ گیا تو وہ اس کے پیچھے آئی۔ وہاں جالی

دارونڈو تھی جس کے سوراخ میں سے ایک آفیسر ایک ٹرے آگے کودھکیل رہا تھا۔

سامنے کھڑے عالیان نے ٹرے اپنی طرف کھینچی، اس پر رکھی گھڑی کلائی پر پہنی، والٹ جیب میں

ڈالا، اسٹر ادوسری جیب میں۔ پھر لیپ ٹاپ اٹھا کے پلٹا ہوا تو ان دونوں کو دیکھا۔ بے اختیار مسکرا دیا۔

"مسٹر اینڈ مسز سمتھ! آگئے آپ لوگ؟"

اس کی آنکھیں اسی طرح چمک رہی تھیں۔ وہ دونوں اس کے عین سامنے آرکے۔ اس نے باری باری ان کے چہرے دیکھے جو شدید سنجیدہ دکھائی دیتے تھے۔

”قانون کے مطابق پولیس مجھے مزید قید نہیں رکھ سکتی۔ اگر آپ دونوں کو برانہ لگے تو کیا میں جاسکتا ہوں؟ کل میرا ٹیسٹ ہے۔“

”کیسے انسان ہو تم؟“ وہ مزید ضبط نہیں کر سکتی تھی۔ ”تمہیں ایک ماں پہ ترس نہیں آتا؟“

”نہ اپنی ماں پہ آیا نہ تم پہ آئے گا۔ جب میرا اس کیس سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے تو میں ترس کس پہ کھاؤں؟“ پھر اس نے ماہر کو دیکھا اور اسی طرح مسکرایا۔

”اگر آپ یہ سوچ رہے ہیں کہ میرا تعاقب کروائیں گے، اور اپنے بندے میرے پیچھے لگائیں گے کہ شاید میں آپ کو اس جگہ لے جاؤں جہاں میں نے اس بچے کو رکھا ہوا ہے، تو آپ غلط ہیں۔ میں یہاں سے سیدھا لائبریری جا رہا ہوں۔ مجھے وہاں بیٹھ کے پڑھنا ہے۔ اس لیے کوشش کیجیے گا کہ اپنے تعاقب کاروں کو میرے پیچھے مت بھیجیں۔ اگر مجھے معلوم ہوا کہ کوئی میرا تعاقب کر رہا ہے تو میں آپ لوگوں پہ ہراسمنٹ کا دعویٰ بھی کر سکتا ہوں۔ مجھے اپنے رائٹس معلوم ہیں۔“

اس کی مسکراہٹ ایک لمحے کے لئے بھی چہرے سے جدا نہیں ہوئی تھی۔ ان کے ساتھ سے گزر کے وہ باہر نکل گیا۔ مالا بے اختیار اس کے پیچھے گئی۔

”مالا...“

ماہر نے اسے پکارا۔ لیکن وہ کچھ نہیں سن رہی تھی۔ وہ سڑک کے کنارے پہنچا تھا جب وہ اس کے عین پیچھے آ کے رکی۔

”اب ہم پولیس اسٹیشن میں نہیں کھڑے۔ تم مجھے صرف اتنا بتا سکتے ہو کہ وہ زندہ ہے یا نہیں؟“

سڑک کے دہانے کھڑا نوجوان جادوگر تسلی سے اس کی طرف پلٹا۔

”میں نے کوئی وارنر نہیں پہن رکھی نہ میں تمہاری ریکارڈنگ کر رہی ہوں۔“ وہ امید اور خوف کے درمیان اسے دیکھ رہی تھی۔ ”پلیز مجھے اتنا بتا دو... کیا وہ زندہ ہے؟“

عالیان چند لمحے مسکرا کے اسے دیکھتا رہا۔ پھر اثبات میں گردن کو خم دیا۔
پھر اس نے ماہر کی طرف دیکھا جو قریب پہنچ چکا تھا اور جیسے نگاہوں میں اجازت چاہی۔
”میں جاؤں؟“

”صرف ایک بات۔“

عالیان ٹیکسی کو پکارتے پکارتے ٹھہر گیا۔

"Kale."

عالیان نے سوالیہ ابرو اٹھائی۔

”میں اپنی سمودی میں kale ڈالتا ہوں۔ بیربل نے اپنی ریسپی میں اس کا ذکر نہیں کیا تھا۔“

”Noted.“ عالیان نے مسکرا کے دو انگلیاں ماتھے تک لے جا کے سلام کیا اور پلٹ گیا۔ تیز قدموں سے چلتا اب وہ ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف جا رہا تھا۔ آزاد۔ بے پرواہ۔

اس لمحے کشمالہ کا دل چاہا کہ کوئی گاڑی تیزی سے آئے اور اسے روند کے نکل جائے۔ لیکن وہ ایسی خواہش نہیں کر سکتی تھی۔ اس صورت میں وہ کبھی یہ نہیں جان پائیں گے کہ اس کا بیٹا کہاں تھا۔

وہ تب تک وہاں کھڑی رہی جب تک عالیان ٹیکسی میں بیٹھ نہیں گیا۔ دروازہ بند کرنے سے پہلے اس نے ہاتھ باہر نکال کے اسے الوداعی انداز میں ہلایا تھا۔ مالانے مٹھیاں اتنی زور کی بھینچ لیں کہ ناخن ہتھیلی میں پیوست ہو گئے۔ وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے بیٹے کا اغوا کار اس کے سامنے جا رہا تھا... اپنی زندگی جاری رکھنے... اور وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

”اسے جانے دو۔ ہم اسے ڈھونڈ لیں گے... اور بدر کو بھی۔“ وہ دھیرے سے اس کے ساتھ بولا تھا۔

مالا نے سر جھکا دیا۔ وہ ابھی اس کو بھی نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ وہ ساری دنیا سے خفا تھی۔ چپ چاپ وہ کار کی طرف بڑھ گئی۔ آج اس نے ماہر سے بس پہ جانے کی ضد نہیں کی تھی۔

اسے بس گھر جانا تھا اور بہت سارا رونا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عالیان نے ٹیکسی ڈرائیور کو مطلوبہ لوکیشن سمجھا دی اور ٹیکسی آگے بڑھ گئی تو اس نے احتیاط سے پیچھے دیکھا۔ اس کی نگاہوں کے سامنے کوئی کار اس کے تعاقب میں دکھائی نہیں دیتی تھی۔ لیکن اگر پولیس یا ماہر کے بندے اس کا تعاقب کر رہے تھے تو وہ اتنی آسانی سے نمایاں نہیں ہوں گے۔ اس نے ڈرائیور کو اسی علاقے کے چند چکر کاٹنے کے لیے کہا۔ اس کے بعد وہ ٹیکسی بدل لے گا۔ پھر موبائل کی اسکرین روشن کی۔ بیٹری کم رہ گئی تھی۔ وہ جانتا تھا اب اس کی تمام کالز ریکارڈ ہو رہی ہوں گی۔ لیکن اس کو پولیس سے بٹننے کے سارے طریقے آتے تھے۔

”سیٹ بیلٹ پہن لیں۔“ مسلسل ہوتی ٹوں ٹوں پہ ڈرائیور نے اکتا کے کہا۔

عالیان نے کھینچ کے سیٹ بیلٹ نکالی اور بکل میں اڑائی۔ لیکن وہ لگی نہیں۔ واپس کھینچ گئی۔ اس نے زور سے اسے دوبارہ کھینچا اور بکل میں پیوست کرنا چاہا۔

”تمہاری سیٹ بیلٹ خراب ہے۔“ اکتا کے کہا۔

ڈرائیور نے جواباً بڑا بڑا کے کار آہستہ کی اور پیچھے مڑا۔

”میں لگا کے دیتا ہوں۔ ایک منٹ۔“ ڈرائیور بازو لمبا کر کے اس کی طرف جھکا۔ عالیان نے دونوں ہاتھ

پیچھے کر دیے۔ ڈرائیور نے سیٹ بیلٹ کا سراپکڑا اور اسے مزید کھینچا۔ عالیان سر جھکائے بکل کو دیکھ رہا تھا۔

”ایک منٹ... تمہارے بکل کے اندر تو...“ اس نے ٹوٹے بکل کو دیکھ کے چونک کے چہرہ اٹھایا۔

اسی پل ڈرائیور نے ہاتھ میں پکڑی سرخ زور سے اس کی ران میں گھونپ دی۔ عالیان نے تیزی سے اس کے بازو میں ناخن پیوست کیے اسے اپنے اوپر سے دھکیلنا چاہا، لیکن انجیکشن میں موجود کیمیکل کا اثر بہت تیز تھا۔ چند ہی لمحے میں اس کے ہاتھ بے جان ہو گئے۔ وہ حرکت نہ کر سکا۔ صرف ایک لفظ اس کی زبان پہ اٹک گیا۔

”زیادہ...“

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس کا ذہن کسی دور تاریک وادی میں تھا۔

جیسے وہ کسی سیاہ سمندر کے وسط میں ڈوبے ہوئے جہاز کا کوئی تختہ ہو، جو آہستہ آہستہ پانی کی سطح پہ ابھر رہا ہو۔

اس نے آنکھیں کھولیں۔ ہر طرف سیاہی تھی۔ کچھ کھر در اساتھا جو چہرے سے ٹکرا رہا تھا۔

عالیان نے پلکیں جھپکائیں۔ اس کے چہرے پر شاید کوئی سیاہ بوری نما کپڑا تھا جو اس کی جلد سے مسلسل رگڑ کھا رہا تھا۔ اس کپڑے کے ننھے ننھے سوراخوں سے اسے ایک دھندلا سا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ سرمئی دیواریں، ارد گرد ٹہلنے لوگ۔ عالیان نے چہرہ دائیں بائیں جھٹکا۔

قدموں کے قریب آنے کی آواز آئی۔ کسی نے گردن پر بندھی رسی کی گرہ کھولی۔ جیسے اس کی گردن کسی طوق سے آزاد ہوئی۔ کسی اور نے کھینچ کے وہ کپڑا چہرے سے اوپر کھینچا۔ وہ اس کی جلد سے رگڑ کھاتا اترتا تو اس کے منہ سے سسکاری نکلی۔

”اونہوں!“ اس نے بے زاری سے پلکیں جھپکائیں۔ ایک دم سے تیز روشنی کے باعث آنکھیں چندھیا گئی تھیں۔

اس کی بصارت ماحول کی روشنی کے لحاظ سے ایڈجسٹ ہوئی تو اس نے دیکھا، سامنے ایک خالی کرسی رکھی تھی۔

وہ خود ایک کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس کے پیر اور ہاتھ دائرے سے بندھے تھے۔ اس نے دائیں بائیں دیکھا، جس حد تک گردن مڑ سکتی تھی۔ یقیناً اس کے پیچھے اسلحہ لیے چند افراد کھڑے تھے۔ اس نے چہرہ واپس خالی کرسی کی طرف موڑا۔ اب وہ خالی نہیں تھی۔ کوئی تھا جو اس پر بیٹھ رہا تھا۔

نوجوان جادو گر بے اختیار مسکرا دیا۔ پھونک مار کے آنکھوں پر آئے بال ہٹائے۔ پھر سر کو جھٹکا۔ ماتھے کے بال مزید ایک طرف ہوئے۔ اب اس کی بصارت مکمل صاف تھی اور وہ سامنے بیٹھے شخص کو دیکھ سکتا تھا۔

”میرا خیال تھا مجھے اغوا کرنے کی غلطی زیادہ کرے گا۔ لیکن آپ بھی پیچھے نہیں رہے، ماہر بے!“

خاک کی کوٹ والا ماہر فرید اس کے سامنے ٹانگ پر ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔ یوں کہ کہنی کرسی کے ہتھ پر رکھے، دو انگلیاں گال تلے ٹھہری تھیں۔ وہ بہت اطمینان سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”پانی مل سکتا ہے؟ میں کافی ڈی ہائیڈریٹڈ محسوس کر رہا ہوں۔“ عالیشان نے کہتے ہوئے کہنی کے اندر والی طرف اپنے پہلو سے رگڑی۔

ماہر نے پیچھے کسی کو اشارہ کیا۔ جب تک اس کا پانی آیا وہ دائیں بائیں گردن گھما کے اطراف کا جائزہ لے چکا تھا۔ یہ سرمئی دیواروں والا کوئی کاٹھ کباڑ سے لیس کمرہ تھا۔ جیسے کسی فیکٹری کا ویز ہاؤس ہو۔

ایک شخص نے اسٹر اوالی بوتل اس کے سامنے کی۔ اس نے ہونٹوں میں اسٹرارکھ کے دو گھونٹ بھرے۔ پھر چہرہ پیچھے کیا۔ ناپسندیدگی سے پلاسٹک کے اسٹرکو دیکھا اور پھر واپس ماہر کو۔

”جی ماہر بے، اب بتائیے۔ آگے کیا ہوگا؟“

وہ مسکرا رہا تھا۔

ماہر اسی خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔ جب چند لمحے یونہی گزر گئے تو عالیشان نے سمجھ کر سر ہلایا۔

”آپ کی وجہ سے میرا ایگزام رہ گیا۔ چلیں کوئی بات نہیں۔ میں آپ کو بتاتا ہوں کہ آگے کیا ہوگا۔“ اس نے نگاہیں دائیں بائیں گھمائیں۔

”یہ یقیناً آپ کی کسی انڈر کنسٹرکشن سائٹ کا ایک کمرہ ہے۔ آپ کوئی گینگسٹر یا مافیا باس نہیں ہیں جو آپ کے ڈسپوزل پہ ایسی گنم عمارتیں ہوں۔ زیادہ دیر آپ مجھے یہاں رکھ نہیں سکتے۔ کیونکہ آپ قانوناً کوئی غلط کام کرنا نہیں چاہتے۔ ہاں مالا کے لئے...“ اس کی مسکراہٹ معنی خیز ہو گئی۔ ”آپ نے آج قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اچھی تبدیلی ہے۔ لیکن میں آپ کو بتاتا ہوں کہ آگے کیا ہو گا۔“

ماہر کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ وہ اسی دلچسپی سے اسے دیکھے گیا۔

”اب آپ مجھے یہ کہیں گے کہ آپ کے یہ minions میرے اوپر ٹارچہ کریں گے۔ میرے ناخن اکھاڑیں گے... یا مجھے ماریں بیٹھیں گے... یا پانی میں مجھے ڈبکیاں دیں گے... اور اس ٹارچہ سے گھبرا کے میں آپ کو بدر کی لوکیشن بتا دوں گا۔ آپ کا پلان اچھا ہے لیکن اس میں دو مسئلے ہیں۔ پہلی بات...“

وہ اسی ڈھیٹ مسکراہٹ کے ساتھ کہہ رہا تھا۔

”میں ہر قسم کا ٹارچہ پر برداشت کر سکتا ہوں کیونکہ آپ کی طرح میں ناز و نعم میں نہیں پلا۔ نہ ہی ایک شاندار لائف کا عادی ہوں۔ میں گلیوں میں بڑا ہوا ہوں اور میں نے بہت بھوک اور کسمپرسی کے حالات دیکھے ہیں۔ میں لکڑ ہضم پتھر ہضم ہوں۔ بہت محنت سے میں نے اپنی یہ زندگی بنائی ہے۔ اس لیے آپ کے ٹارچہ سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن آپ کو پڑے گا۔“ اس کی مسکراہٹ مزید ہوئی۔

”آپ کوئی مافیا باس نہیں ہیں جو بے رحمی سے کسی دوسرے انسان کے اوپر ہوتا ظلم دیکھ سکیں۔ آپ کا ضمیر آپ کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔ اس لئے اول تو آپ مجھے قتل نہیں کر سکتے۔ دوسرا آپ فلموں کی طرح مجھے گھٹنے میں گولی مار سکتے ہیں اور مجھے جسمانی تکلیف دے کر چند لمحے مجھ سے کچھ اگلوانے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر میرا خون زیادہ بہہ گیا اور میں مرنے کے قریب ہوا تو آپ کے ہاتھ پیر پھول جائیں گے اور آپ خود مجھے ہسپتال بھیج دیں گے۔ اور میں ہوش میں آتے ہی پولیس کے پاس چلا جاؤں گا۔ آپ مشکل میں پڑ جائیں گے کیونکہ آپ اس ملک میں فائزر ہیں۔ اس لئے اب آپ جو بھی کریں، سوچ سمجھ کے کریں۔ کیونکہ مجھے اغوا کر کے آپ ایک جرم تو کر ہی چکے ہیں۔“

ماہر انہی نظروں سے اسے دیکھتا رہا اور پھر گہری سانس لی۔

”پولیس اسٹیشن میں، میں نے تم سے کوئی بات نہیں کی کیونکہ میں تم سے اس طرح ون آن ون بات کرنا چاہتا تھا۔“

”اچھا ہاں... سمجھ گیا۔“ عالیان نے سمجھ کے سر ہلایا۔ ”آپ مجھے ٹارچر نہیں کریں گے۔ پہلے آپ مجھے بلیک میل کرنے کی کوشش کریں گے۔ میرے کسی راز کو منظر عام پہ لانے کی دھمکی دیں گے... جس سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یا میرے کسی قریبی شخص کی جان لینے کی دھمکی دیں گے۔ اس سے بھی مجھے فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ میرے قریب کوئی ہے ہی نہیں۔ نہ میری زندگی میں کوئی رشتہ ہے نہ کوئی محبت نہ کوئی انسان۔ میں اپنی ایسی کوئی کمزوری رکھتا ہی نہیں ہوں جو میری لائیبلیٹی بنے۔ آپ میری کسی کمزوری، کسی محبت یا کسی ذاتی مفاد سے واقف ہی نہیں ہیں، نہ ہو سکتے ہیں۔ اس لیے میں پہلے سے بتا دوں، یہ طریقہ میرے اوپر کارگر ثابت نہیں ہو گا۔“

ماہر نے اثبات میں سر ہلایا۔

”ریلیکس، kid.... میں نہ تمہیں ٹارچر کروں گا، نہ ہی بلیک میل۔ میں تم سے صرف ایک دفعہ پوچھوں گا۔ وہ بچہ کہاں ہے؟“

عالیان مسکرا دیا۔ آنکھوں کی چمک بڑھ گئی۔

”وہ جہاں بھی ہے، آپ اسے نہیں ڈھونڈ سکتے۔ وقت آنے پہ وہ خود ہی اپنی ماں کے پاس پہنچ جائے گا۔ آپ درمیان میں کیوں پڑتے ہیں؟ تھوڑا اور پانی مل سکتا ہے؟“ کہنے کے بعد عالیان نے دائیں بائیں دیکھا۔ کوئی اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوا۔ نہ ہی ماہر نے اس دفعہ کسی کو پانی لانے کا حکم دیا۔

اس نے شانے اچکا دیے۔

”خیر... مجھے ڈی ہائیڈریٹڈ رکھ کے آپ مجھ سے کچھ اگلا نہیں سکتے۔“

”پولیس اسٹیشن میں ہر شخص تم سے کچھ اگلا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ صرف میں تھا جو تمہیں سن رہا تھا

”۔

کر سی پہ بندھا عالیان گردن سیدھی اٹھائے اسی مسکراہٹ سے اسے دیکھے گیا۔

”تمہیں لگتا ہے، عالیاں... کہ تم سے کوئی کچھ اگلا نہیں سکا۔ لیکن مجھے جو چاہیے تھا وہ تم نے مجھے اپنے منہ سے بتا دیا۔“

عالیاں نے سوالیہ ابرو اٹھایا۔

”اس دنیا میں سب سے قیمتی چیز انفارمیشن ہوتی ہے۔ تم نے مجھے خود ہی وہ انفارمیشن دے دی جس کی مجھے تلاش تھی۔“

”ویری انٹر سٹنگ۔ مثلاً؟“

”میری سمودی کی ریسپی۔“

عالیاں دھیرے سے ہنس دیا۔

”اگر آپ کے narcissistic ذہن کو لگتا ہے کہ میں آپ سے یا بیربل سے متاثر ہو کے آپ کو اسٹاک کرتا ہوں یا آپ کے لائف سٹائل کو...“

ماہر نے ہاتھ اٹھا دیا۔ اس کی بولتی زبان خاموش ہو گئی۔

”مجھ سے متاثر ہونے والا شخص میرے لائف سٹائل کو ”صرف“ اسٹاک کر سکتا ہے۔ لیکن صرف ایک شخص ہے جو اس سمودی کو بنا کے پینے کی زحمت کرے گا۔“ ماہر نے ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی اور قدرے آگے کو جھکا۔ ان دونوں کے درمیان کوئی میز نہیں تھی۔ صرف خلا تھا۔ اور خاموشی۔

”ایسا شخص جو میرے جیسا ہو۔ یعنی... health freak۔“

عالیاں کے ابرو نا سمجھی سے اکٹھے ہوئے۔

”تم ایک health freak ہو۔ تمہیں اپنے انوائرنمنٹ کی فکر ہے۔ تم ڈرنک نہیں کرتے۔ ڈرگز نہیں لیتے۔ کیونکہ تمہیں اپنی صحت کا خیال ہے۔“

”اور اس انفارمیشن سے آپ کو کیا حاصل ہو گا؟“

”تم نے درست کہا، میں کوئی مافیا باس نہیں ہوں۔ نہ ہی میرے ڈسپوزل پہ...“ ماہر نے ہاتھ سے پیچھے کھڑے آدمیوں کی طرف اشارہ کیا۔ ”نہ ہی میرے ڈسپوزل پہ گینگسٹر زیا کرائے کے غنڈے ہوتے ہیں جو کسی شخص کو اغوا کر کے اس پر ٹارچر کریں۔ میں زیاد سلطان نہیں ہوں جو کسی کو جسمانی اذیت دوں۔ میں ماہر فرید ہوں۔ میں زندگیاں لیتا نہیں ہوں۔ ان کو بچاتا ہوں۔ لوگ میرے پاس اپنے مسئلے لے کر آتے ہیں اور میں اپنی people's skill سے ان کے مسئلے حل کرتا ہوں۔ اور آج میرے پاس ایک شخص کا مسئلہ حل کرنے کا موقع ہے۔“

”مالا کا مسئلہ؟“

”او نہوں!“ ماہر نے سردائیں بائیں ہلایا۔ ”لیانہ اور ایلف کا مسئلہ۔“

”وہ کون ہیں؟“ عالیان نے آنکھوں کی پتلیاں سکڑ کے اسے دیکھا۔

”لیانہ اور ایلف دو جڑواں لڑکیاں ہیں۔ ٹین اتج ہیں۔ ان کا باپ انقرہ میں ایک اہم سرکاری آفیسر ہے۔ کچھ عرصہ قبل وہ میرے پاس ایک مسئلہ لے کر آیا تھا۔“

عالیان ٹھہر کے اسے سننے لگا۔ خطرے کی گھنٹی دور کہیں بج رہی تھی۔ نا محسوس انداز میں اس نے اپنی کہنی پھر سے پہلو سے رگڑی۔

”تمہاری کہنی پر خارش اس لیے ہو رہی ہے کیونکہ یہ انجکشن سائٹ ہے۔“

عالیان نے چونک کے اپنے بازو کو دیکھا۔ کہنی پر ننھا سا بینڈ تگ لگا تھا۔

”لیکن مجھے ٹرینکولائزر تو ٹانگ میں لگا تھا۔“

”ہاں، ٹرینکولائزر ٹانگ میں لگا تھا۔ لیکن تمہارا بلڈ سیپیل ہم نے تمہارے بازو سے لیا تھا۔“

”بلڈ سیپیل؟“

”کہانا، لیانہ اور ایلف کو میری مدد کی ضرورت ہے۔ ان کے گردے ایک ایکسیڈنٹ میں ضائع ہو گئے تھے۔ وہ دو لڑکیاں زندگی اور موت کے درمیان لٹکی ہوئی ہیں۔ ان دونوں کو ایک ایک گردہ چاہیے۔ ٹرانسپلانٹ کمیٹی ان کو گردہ نہیں دے گی کیونکہ وہ لسٹ پہ بہت نیچے آتی ہیں۔ اور آج کل آرگن مافیا کے اوپر کافی سختی ہے، اس لئے ان کو بلیک میں بھی کڈنی نہیں مل رہا۔“

عالیان کے چہرے کی رنگت بدلنے لگی۔ وہ پلک تک نہ جھپک سکا۔

”ایسے میں میں نے سوچا کہ وہ کون ہے جس کے آگے پیچھے کوئی نہیں ہے۔ جس کی زندگی میں کوئی محبت، کوئی کمزوری نہیں ہے۔ اگر اس کے دونوں گردے نکال لیے جائیں تو کوئی اسے مس نہیں کرے گا۔ اور میرے اوپر کسی کی جان لینے کا گناہ بھی نہیں ہو گا کیونکہ میں دو زندگیاں بچا رہا ہوں۔ باقی رہے تم... تو تمہاری زندگی ڈائلا سز پہ چل جائے گی۔ اب تک اپنی سیاہ کمائی سے تم نے اتنا مال تو اکٹھا کر لیا ہو گا کہ ساری زندگی کے لیے ڈائلا سز افورڈ کر سکو۔ بہت سے لوگ رہتے ہیں ڈائلا سز پہ۔ کئی کئی برس۔ تم بھی رہ لو گے۔ لیکن اس کے بدلے تم دو لڑکیوں کی زندگی بچاؤ گے۔ میرے جیسے باضمیر آدمی کے لئے اس سے اچھا سودا کیا ہو گا۔ اور ہاں، یہ تو میں کہنا بھول گیا کہ اس سرکاری آفیسر نے میری بلڈنگ کا پرمٹ بھی جاری کرنا ہے۔ یوں بہت سے لوگ جو میری کنسٹرکشن سائٹ کے ساتھ جڑے ہیں، ان کے رزق میں کسی قسم کی تنگی نہیں آئے گی۔“

عالیان نے اب کی دفعہ چہرہ گھمایا تو دائیں جانب لہراتا پردہ دکھائی دیا۔ اس کی نگاہوں کا تعاقب دیکھ کر ایک شخص آگے بڑھا اور وہ پردہ ہٹایا۔ وہ پلاسٹک کی شیٹ تھی جس کے پیچھے ایک عارضی آپریشن تھیٹر قائم تھا۔ دو نیلے سکرینز میں موجود افراد سر پر ٹوپی اور چہرے پر ماسک پہنے وہاں کھڑے تھے۔ عالیان نے بے اختیار واپس ماہر کو دیکھا۔

”تم بلف کر رہے ہو۔“

"میں مالا کے بچے کے لیے صرف بلف کروں گا؟"

عالیان سادان کی رنگت ایک دم زرد پڑ گئی۔ عارضی آپریشن تھیٹر میں دکھائی دینے والے آلات جراحی تیز روشنیوں میں دمک رہے تھے۔

"تم ایسا نہیں کر سکتے۔"

"درست کہہ رہے ہو۔ اگلے نوے منٹ تک میں ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ..." ماہر نے کلانی پر بندھی گھڑی دیکھی۔ "وہ سرکاری آفیسر انقرہ میں رہتا ہے۔ میرے اطلاع دینے کے بعد اس کے آدمی وہاں سے نکل پڑے تھے۔ وہ ایک کولنگ کنٹینر میں تمہارے گردے یہاں سے انقرہ لے کر جائیں گے جہاں سرجری ہوگی۔ البتہ ان کے یہاں پہنچنے میں نوے منٹ باقی ہیں۔ پولیس اور دوسرے معاملات بھی وہ خود ہی ہینڈل کریں گے۔ میرا کام صرف ان کو گردے صحیح سلامت پہنچانا ہے۔ یعنی..." ماہر نے گھڑی والا ہاتھ نیچے کیا۔

"تمہارے پاس نوے منٹ ہیں نہ صرف مجھے یہ بتانے کے لئے کہ وہ بچہ کہاں ہے، بلکہ تمہاری بتائی معلومات ان نوے منٹ کے اندر درست ثابت ہونی چاہیے۔ ورنہ میں تمہیں ان کے حوالے کر دوں گا۔ کیونکہ جس لمحے وہ یہاں پہنچ جائیں گے، معاملہ میرے ہاتھ سے نکل جائے گا۔"

عالیان نے چہرہ دائیں بائیں موڑا۔ ساتھ کھڑے آدمیوں کے سنجیدہ تاثرات، ان کے اسلحے، ویئر ہاؤس کی اونچی دیواروں اور پھر پلاسٹک کے پھڑ پھڑاتے پردے کو دیکھا۔

"تم ایسا نہیں کر سکتے۔"

"میرے ایسا کرنے سے ایک جادوگر اس قابل نہیں رہے گا کہ وہ دوبارہ کسی پہ جادو کر سکے۔ میں انسانیت کے ساتھ ایک بھلائی کرنے جا رہا ہوں۔"

عالیان کی رنگت لٹھے کی مانند سفید ہو چکی تھی۔ وہ چند لمحے دائیں بائیں دیکھتا جیسے اس حقیقت کو پراسیس کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

”تم نے درست کہا تھا۔ تمہارے آگے پیچھے کوئی نہیں ہے۔ تم نے صرف جنات میں دوست بنائے۔ اب ان کو بلاؤ اور ان سے کہو کہ وہ انسانوں سے لڑیں اور تمہیں یہاں سے نکالیں۔“

اس نے بے اختیار ماہر کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں کی چمک ویران ہو چکی تھی۔

وہ دونوں جانتے تھے کہ ایسے موقعوں پہ سب سے پہلے جنات دور بھاگتے ہیں۔

”اگر تم مجھے بتا دو کہ وہ بچہ کہاں ہے تو میں تمہیں جانے دوں گا۔ سرکاری آفیسر کے آدمیوں کو کال کر کے کہہ دوں گا کہ پولیس کی ریڈ کا خطرہ تھا، اس لئے مشن ناکام ہو گیا اور تم بھاگ گئے۔ بدلے میں میری عمارت کے پرمٹ کو نقصان پہنچے گا لیکن کوئی بات نہیں، تمہارے گردے بچ جائیں گے اور مالا کا بیٹا۔“

عالیان چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔

”تمہارے پاس 88 منٹ ہیں۔ اس کے بعد ایک طویل زندگی جو ڈائلا سزپہ....“

”وہ بلت میں ہے۔“

ماہر ایک لمحے کے لیے کچھ بول نہ سکا۔

”بلت کی رنگین سیڑھیوں کے سامنے جو عمارتیں ہیں..... ان میں فیروزی رنگ کی عمارت کے.... سب سے ٹاپ فلور پہ جو اپارٹمنٹ ہے۔“ وہ رک رک کے بتا رہا تھا۔ ”اس اپارٹمنٹ میں وہ اس وقت موجود ہے۔ تم پولیس کو بھیج کے اسے بازیاب کر سکتے ہو۔“

ماہر چند لمحے بے یقینی سے اسے دیکھے گیا۔ جیسے اسے خود بھی یقین نہ آ رہا ہو کہ اتنی جلدی وہ بتا دے گا۔

”اگر یہ انفارمیشن غلط نکلی تو تم جانتے تمہارے ساتھ کیا ہو گا۔“

عالیان نے تیزی سے سر ہلایا۔ ”میں سچ کہہ رہا ہوں۔ وہ وہیں ہے۔ میں نے اسے خود وہاں چھوڑا تھا۔ اور اس کے ساتھ صرف ایک نینی ہے۔ کوئی اسلحہ اٹھائے انسان نہیں ہے۔ پولیس کو کسی مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔“

ماہر نے موبائل نکالا۔ چنگیز کا نمبر ملانے سے پہلے اس نے ایک دفعہ پھر عالیاں کا چہرہ دیکھا۔
”اگر یہ انفارمیشن غلط ہوئی...“

”میں کیوں غلط انفارمیشن دوں گا؟ میری زندگی داؤ پہ لگی ہے۔ جلدی کرو۔“ وہ دبا دبا سا چلا یا تھا۔
گھڑی کی ہر گزرتی ٹک ٹک اس کا خون خشک کر رہی تھی۔ وہ جانتا تھا ماہر فرید مذاق نہیں کر رہا۔ وہ آپریشن تھیٹر بھی اصلی تھا اور اس کی دھمکی بھی۔
”چنگیز....“ وہ فون کان سے لگائے ایک طرف آگیا۔ ”تمہیں ایک جگہ فوری ریڈ کرنا ہے۔ بلت کی رنگین سیڑھیوں کے سامنے....“

وہ واپس عالیاں کے سامنے آ کے بیٹھا تو نوجوان خاموش رہا۔ کوئی کچھ نہ بولا یہاں تک کہ کئی منٹ گزر گئے۔

بالآخر فون کی گھنٹی بجی۔ عالیاں کا سانس رک گیا۔ ماہر نے تیزی سے موبائل کان پہ لگایا۔
”کیا ہوا؟“

”ہم نے فیروز کی عمارت پہ ریڈ کیا ہے۔“
”اور؟“

”یہاں کوئی نہیں ہے، ماہر۔“

ماہر نے چونک کے کرسی پہ بندھے ہوئے عالیاں کو دیکھا۔

”یہاں ایک نوجوان کپل رہ رہا ہے۔ سیاح ہیں وہ۔ تمہاری انفارمیشن غلط تھی۔“

”ایک منٹ۔“ اس نے کال بند کی اور تیزی سے عالیاں تک آیا۔ ایک دم زور سے اس کا چہرہ مٹھی میں دبوچ لیا۔

”کون سا گیم کھیل رہے ہو تم میرے ساتھ؟“ وہ زور سے غرایا تھا۔

"آؤج... نہیں... میں سچ کہہ رہا ہوں۔" اس کی پھنسی پھنسی آواز نکلی تو ماہر نے جھٹکے سے اس کا چہرہ چھوڑا۔ وہ گہرے گہرے سانس لینے لگا۔

"فیروزی عمارت خالی ہے۔ وہاں کوئی نہیں ہے۔ تمہیں ابھی تک یقین نہیں آیا کہ میں تمہارے جسم کا ہر عضو نکال سکتا ہوں اور...."

"میں نے فیروزی نہیں کہا تھا۔" عالیان اتنی ہی اونچی آواز میں بولا تو ماہر بولتے بولتے رک گیا۔
"واٹ؟"

"میں نے سبز کہا تھا۔ پستہ رنگ کی سبز عمارت۔"
"تم....." طیش کی ایک لہر اس کے اندر اٹھی لیکن ابھی اس کا وقت نہیں تھا۔ اس نے کال ملا کے فون کان سے لگایا۔

"ساتھ میں کوئی پستہ رنگ کی سبز عمارت ہے؟"

"ہاں۔ بالکل سامنے والی۔" چنگیز چونکا۔

"بچہ اس عمارت میں ہے۔"

"لیکن پہلے تم نے فیروزی کیوں....."

"جلدی جاؤ، چنگیز۔"

اب کے وہ عالیان کے سامنے بیٹھا تو نوجوان جادوگر نے کندھے اچکا دیے۔

"میں نے سبز کہا تھا۔ فیروزی نہیں۔"

"میں جانتا ہوں تم انہیں بھاگنے کا موقع فراہم کر رہے تھے۔ پولیس کی کارز کے سائرن سن کے وہ خبردار ہو گئے ہوں گے۔"

"میں نے سبز ہی کہا تھا، dude۔ تمہاری سماعت میں مسئلہ ہے۔" اس کا کھویا ہوا اعتماد واپس آ رہا تھا۔

ماہر خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔

چند لمحے بعد موبائل بجنے لگا۔ ماہر نے ایک نظر جلتی بجھتی اسکرین پہ ڈالی، اور دوسری عالیاں پہ۔
"اگر سبز عمارت سے بچہ نہ ملا، تو میں تمہارے گردوں کے ساتھ تمہارا ہارٹ بھی ڈونیٹ کروادوں گا۔"
"کال اٹھاؤ۔" عالیاں نے ابرو سے اشارہ کیا۔

ماہر نے موبائل کان سے لگایا۔

وہ جانتا تھا کہ...

ایک فون کال...

سب کچھ بدل سکتی تھی۔

کیونکہ بس اتنی سی دیر لگتی ہے ہمیں...

ایک بالکل مختلف انسان بننے میں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(مالاکی آخری قسط ان شاء اللہ آئندہ ماہ)